منکرینِ حدیث سے

چار سوال

تالیف، ابوسیاف اعجاز احمد تنویر

Dar-ul-Andlus

نام کتاب

مُنکرینِ حدیث سے
چار سوال

تالیف

ابو سیاف اعجاز احمد تنویر

ملنے کا پتہ

دار الاندلس ۴-لیک روڈ، چوبرجی لاہور، پاکستان
Ph: 92-42-7230549 Fax: 92-42-7242639 www.dar-ul-andlus.com

منکرین حدیث سے
چار سوال
تالیف: ابوسیاف اعجاز احمد تنویر

فہرست

سوال نمبر 3

سوال نمبر 4

تقدیم

از قلم: محترم حافظ صلاح الدین یوسف صاحب ﷾

منکرین حدیث، جو احادیث کی حجیت اور ان کے ماخذ دین ہونے کو تسلیم نہیں کرتے، جب کہ واقعہ یہ ہے کہ حدیث رسول کے بغیر قرآن کو سمجھا جا سکتا ہے، نہ اس پر عمل ہی کیا جا سکتا ہے۔ لیکن چونکہ ان کا مقصد دین اسلام کے سمجھنے اور ان پر صحیح معنوں میں عمل کرنے کا ہے ہی نہیں، اس لیے وہ انکار حدیث کی آڑ میں اصل اسلام ہی سے انحراف کرنا چاہتے ہیں۔

زیر نظر کتاب اسی گروہ کے ردّ میں لکھی گئی ہے اور ان سے بطور مثال چار سوالات کیے گئے کہ اگر حدیث بھی قرآن کی طرح وحی الٰہی اور قرآن کی تفسیر و توضیح اور اس کے مجملات کی تفصیل نہیں ہے تو قرآن میں مذکور چار مجمل باتوں کی وضاحت کی جائے کہ قرآن حکیم میں ان چار باتوں کا ذکر کہاں ہے جن کی طرف قرآن نے اشارہ کیا ہے؟

اس اعتبار سے یہ کتاب نہایت فاضلانہ اور منکرین حدیث کے لیے ایک زبردست چیلنج ہے۔ دیکھیں وہ اس چیلنج سے عہدہ برا ہوتے ہیں (جو محال ہے) یا اس کے ذریعے اللہ تعالیٰ ان کو راہ ہدایت، صراط مستقیم اور جادۂ حق پر چلنے کی توفیق سے بہرہ ور فرما دیتا

ہمیں معلوم ہے کہ وہ اس چیلنج سے عہدہ برا ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتے کہ

ع یہ بازو میرے آزمائے ہوئے ہیں

اس لیے ہم دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے دلوں کو قبول حق کے لیے کھول دے اور صراط مستقیم پر چلنے کی توفیق سے ان کو نواز دے۔

اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف اعجاز احمد تنویر صاحب کی اس علمی کاوش کو قبول فرمائے اور اسے گم گشتگانِ راہ کے لیے ہدایت کا ذریعہ بنائے۔ آمین

حافظ صلاح الدین یوسف

مدیر شعبہ تحقیق و تالیف و ترجمہ دارالسلام۔ لاہور

شعبان المعظم ۱۴۲۷ھ۔ اگست ۲۰۰۶ء

ابتدائے نگارش

''انکار حدیث'' کا باطل نظریہ درحقیقت اپنی بے دینی اور دین سے بیزاری کو ''سند جواز'' بخشنے کی ایک ''سعی لا حاصل'' ہے۔ انکارِ حدیث کا باطل نظریہ قرآن مجید میں صحیح غور وفکر کے فقدان کا لازمی نتیجہ ہے۔ قرآن مجید کا ایک عام طالب علم بھی اگر تدبر وتفکر سے کام لے تو اسے یقین ہو جائے گا کہ قرآن مجید کو کلام الٰہی اور کتاب اللہ تسلیم کر لینے کے بعد احادیث رسول ﷺ کا انکار ممکن ہی نہیں۔

سید الاولین والآخرین ، امام الانبیاء والمرسلین، رسول الثقلین، سید الکونین ، امام اعظم، قائد اعظم، مجاہد اعظم جناب محمد رسول اللہ ﷺ کے صحت کے اصولوں پر پورے اترنے والے تمام فرامین قرآن مجید کی تشریح وتفسیر ہیں۔

ہر بندۂ مومن کے ایمان میں یہ بات شامل ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے دین اور شریعت کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے وہ ''من جانب اللہ وحی اور پیغام الٰہی'' ہے۔ رسول اللہ ﷺ جو کچھ ارشاد فرماتے تھے وہ ان کی اپنی اختراع، خواہش نفس، ذاتی پسند یا ناپسند پر مبنی نہیں ہوتا تھا بلکہ اللہ رب العزت کی طرف سے وحی ہوتا تھا۔ اس لیے جس طرح قرآن مجید پر ایمان لانا ، جزوِ ایمان ہے اسی طرح

احادیث پر ایمان لانا بھی جزو ایمان ہے۔

اللہ تعالیٰ ایک اصول، ضابطہ اور آرڈیننس قرآن مجید میں ارشاد فرماتے ہیں، رسول اللہ ﷺ اس کی تفصیلات اور جزئیات بیان فرما دیتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ''نماز پڑھو۔'' رسول اللہ ﷺ نے اس کی تمام تفصیلات واضح فرمائی ہیں کہ پانچ وقت (فرض) نماز پڑھو، فلاں فلاں وقت نماز پڑھو، فلاں وقت اتنی اور فلاں وقت اتنی رکعات پڑھو۔ ہر رکعت میں ایک رکوع اور دو سجدے کرو۔ قیام اور تشہد اس طرح کرو۔ رکوع، سجدے، قیام اور تشہد میں فلاں فلاں اذکار و ادعیہ پڑھو، نماز سے پہلے اذان اور اقامت کہو۔ وضو یا تیمم کرو، نماز کے بعد فلاں فلاں اذکار کرو۔ وغیرہ یہ تمام تفصیلات، تشریحات رسول اللہ ﷺ نے الگ سے واضح کر دیں۔ لیکن یہ سب کچھ ان کی ذاتی اختراعات نہیں ہیں بلکہ اللہ کی طرف سے وحی کی گئی ہیں۔ لہٰذا ان تمام باتوں پر ایمان لانا بھی ضروری ہے جس طرح قرآن مجید پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اب اگر کوئی شخص نماز کی فرضیت کا تو اقرار کرے مگر ''پانچ وقت نماز پڑھنے'' کا انکار کر دے تو وہ اسی طرح کافر ہوگا جس طرح نماز کی فرضیت کا انکار کرنے والا کافر ہو گا۔ کیونکہ حکم الٰہی کی تشریح و تفسیر کا انکار خود اس حکم الٰہی کا انکار ہے۔

منکرین حدیث کا گروہ عوام الناس کو گمراہ کرنے کے لیے ''بس قرآن ہی کافی ہے، قرآن کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے اٹھایا ہے، لہٰذا ہم تو صرف قرآن کو مانتے ہیں'' وغیرہ وغیرہ'' چند ایک ایسے دعووں کا سہارا لیتے ہیں۔ ان بظاہر خوشنما جملوں کے پیچھے کیسی کیسی مکروہ سازشیں پنہاں ہیں، عوام الناس اس سے بے خبر ہیں۔ اس مکروہ اور

گھناؤنے پروپیگنڈے کے انسداد کے طور پر ہم قرآن مجید ہی سے چند سوالات منکرین حدیث کے سامنے پیش کرنا چاہ رہے ہیں۔ الحمد للہ ہم تو قرآن کے ساتھ ساتھ حدیث کو بھی حجت شرعیہ، قانون شریعت، پیغام الٰہی، کتاب الٰہی، دستور الٰہی، منزل من اللہ اور ما انزل اللہ تسلیم کرتے ہیں۔ جبکہ منکرین حدیث فقط دھوکا دہی کے طور پر قرآن پر ایمان کا فریب دیتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ قرآن کے بھی منکر ہیں۔ بہر حال ہم درج ذیل سطور میں چند سوالات قرآن مجید سے پیش کرتے ہیں۔ یہ سوالات ایک سرسری مطالعہ کے بعد سامنے آتے ہیں۔ جب کہ اگر دقیق و عمیق مطالعہ کیا جائے تو ایسے بے شمار سوالات جنم لیتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ کسی بھی منکر حدیث کو راہِ راست پر لانے میں یہ سوالات مدد فراہم کر سکیں۔

کچھ عرصہ قبل محترم و مکرم جناب قاضی کاشف نیاز صاحب (حفظہ اللہ) کی تحریک و تحریض پر بندۂ عاجز نے انکارِ حدیث کے موضوع پر کچھ لکھنا شروع کیا۔ محترم قاضی صاحب ''بالاقساط'' مجلہ الدعوۃ میں اس کو دیتے رہے۔ جس کی اب تک آٹھ اقساط (چار سوالات) مکمل ہوئی ہیں۔ یہ سلسلہ تا ہنوز جاری و ساری ہے۔ اگرچہ ناگزیر وجوہات کی بناء پر درمیان میں کچھ ماہ ناغے بھی ہوتے رہے۔ تاہم محترم قاضی صاحب فون کر کے اکثر توجہ دلاتے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ان کو جزائے جزیل عطا فرمائے۔

اس سلسلہ میں سب سے اہم بات یہ سامنے رکھی گئی ہے کہ قرآن مجید سے ایک مقام چن کر سوال کیا گیا ہے کہ قرآن مجید کی روشنی میں واضح کیا جائے کہ اس سوال کا جواب کیا ہے۔ ہم تو چونکہ احادیث رسول ﷺ کی حجیت کے قائل ہیں لہٰذا ہمیں تو ان سوالات کے جوابات احادیث صحیحہ سے مل جاتے ہیں۔ پھر باقاعدہ تفصیل اور وضاحت

سے اس کتاب میں وہ احادیث اور آثار بھی بیان کیے گئے ہیں جن سے ان سوالات کے جوابات مہیا ہوتے ہیں۔ زندگی نے اگر وفا کی اور صحت نے ساتھ دیا تو ان شاء اللہ یہ سلسلہ مکمل کر کے ایک بڑی کتاب منظر عام پر لانے کا پروگرام ہے۔ بقول

یَلُوْحُ الْخَطُّ فِی القِرْطَاسِ دَهرًا
وَ كَاتِبُهٗ فِي التُّرَابِ رَمِيمٌ

''لکھائی تو صفحات میں پر ایک مدت تک چمکتی رہتی ہے۔ جبکہ لکھنے والا مٹی میں مل گیا ہوتا ہے۔''

درج ذیل چار سوالات فی الحال پیش کیے گئے ہیں:

1. قبیلۂ بنونضیر کے درخت کاٹنے کا حکم قرآن مجید میں کہاں ہے؟
2. حرمت والے مہینوں کی وضاحت قرآن مجید کی کونسی آیت میں ہے؟
3. بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم قرآن مجید میں کس جگہ ہے؟
4. اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر کیا ظاہر کیا تھا؟

ان سوالات کے معقول جوابات ان شاء اللہ منکرین حدیث پیش نہیں کر سکتے۔ یہ بات پورے وثوق اور اعتماد سے کہی جا سکتی ہے کہ منکرین حدیث ان سوالات کے جوابات قرآن مجید سے نہیں دکھلا سکتے۔ تو پھر ماننا پڑے گا کہ صحیح احادیث رسول اللہ ﷺ بھی قرآنِ مجید کی طرح منزل من اللہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ناچیز کی اس محنت کو قبول فرمائے۔ اولاد کے ہر نیک عمل میں چونکہ والدین شریک ہوتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ میری اس محنت کو میرے والد محترم (رحمہ اللہ) کے درجات کی بلندی کا باعث بنائے۔ اللہ تعالیٰ ان کی حسنات کو قبول فرمائے، جنت

الفردوس میں داخلہ نصیب فرمائے اور فتنہ قبر و نار جہیم سے محفوظ فرمائے۔ان کی کوششوں اور دعاؤں سے بندہ آج ''دین متین'' کی خدمت کرنے کے کچھ قابل ہوا ہے۔ میں ان تمام احباب کرام کا شکر گزار ہوں جنھوں نے کسی بھی طرح اس میں حصہ ڈالا ہے۔خاص طور پر مفسر قرآن محترم جناب حافظ صلاح الدین یوسف (ﷺ) کا جنھوں نے علالت طبع کے باوجود مختصر مگر جامع تقدیم تحریر فرمائی۔اس چھوٹی سی کتاب کو اللہ تعالیٰ عامۃ الناس کے لیے علم نافع بنا دے۔آمین یا رب العالمین۔

اَلْعَبْدُ الْحَقِيْرُ إِلَى اللهِ الْقَدِيْرِ

اعجاز احمد تنویر

۲۵ شعبان ۱٤۲۷ (ستمبر ۲۰۰٦ء)

پہلا سوال:

قبیلہ بنی نضیر کے درخت کاٹنے کا حکم قرآن مجید میں کہاں ہے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ مَا قَطَعْتُمْ مِّنْ لِّيْنَةٍ أَوْ تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى أُصُوْلِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰهِ وَ لِيُخْزِيَ الْفَاسِقِيْنَ ﴾ (الحشر:۵:۵۹)

''تم نے کھجوروں کے جو درخت کاٹ ڈالے یا جنھیں تم نے ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے تھا اور اس لیے بھی تھا کہ فاسقوں کو اللہ تعالیٰ ذلیل و رسوا کرے''

غزوۂ بنی نضیر کا مختصر پس منظر:

مذکورہ بالا آیت یہود مدینہ کے بڑے بہادر قبیلہ بنو نضیر کے بارے میں نازل ہوئی۔ بنو نضیر کی بستی مدینہ سے تین چار کلو میٹر پر واقع تھی۔ ان کی بستی کے آس پاس کھجوروں کے بہت زیادہ درخت تھے۔ ایک دفعہ انھوں نے رسول اکرم ﷺ کو دھوکے سے چکی کا پاٹ دیوار سے گرا کر قتل کرنے کا منصوبہ بنایا۔ رسول اللہ ﷺ کو بذریعہ وحی

بتا دیا گیا، آپ وہاں سے اٹھ آئے اور فوراً ہی سیدنا محمد بن مسلمہ رضی اللہ عنہ کو بنی نضیر کے ہاں روانہ کیا۔ انھیں یہ نوٹس بھیج دیا کہ تم لوگ دس دن کے اندر اندر مدینہ خالی کر دو۔ اس کے بعد اگر کوئی شخص یہاں نظر آیا تو اس کی گردن مار دی جائے گی۔ مگر قبیلہ بنو نضیر کے یہودی رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کے دلاسوں، طفل تسلیوں اور جھوٹے وعدوں کی وجہ سے اڑ گئے۔ ان کے سردار حیی بن اخطب نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جوابی پیغام ارسال کیا کہ ہم اپنے علاقے کو چھوڑنے والے نہیں، آپ کو جو کرنا ہو کر لیں۔

جوابی پیغام ملتے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نعرۂ تکبیر بلند کرتے ہوئے بنو نضیر کے قلعوں کی طرف روانہ ہو گئے اور جاتے ہی ان کا محاصرہ کر لیا۔ ادھر سے بنو نضیر نے اپنے قلعوں اور گڑھیوں میں پناہ لے لی اور قلعہ بند ہو کر وہ فصیلوں سے تیر اور پتھر برسانے لگے۔ چونکہ وہاں کھجوروں کے باغات بکثرت تھے اور وہ دشمنان اسلام کے لیے ڈھال اور سپر کا کام دے رہے تھے۔ اس لیے پیغمبر اسلام، رسول جہاد، نبی رحمت جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان درختوں میں جو مسلمانوں کے قریب تھے۔ ان کو کاٹنے اور جو فاصلے پر تھے ان کو جلانے اور جو بے ضرر تھے ان کو جوں کا توں چھوڑ دینے کا حکم صادر فرمایا۔ جس سے مسلمانوں کے لیے دشمنان اسلام پر کارروائی کرنا آسان ہو گیا۔

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

«اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ حَرَّقَ نَخْلَ بَنِی النَّضِیْرِ وَ قَطَعَ وَ هِیَ الْبُوَیْرَةُ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی: ﴿مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِّیْنَةٍ اَوْ

تَرَكْتُمُوْهَا قَائِمَةً عَلٰى أُصُوْلِهَا فَبِإِذْنِ اللّٰهِ وَلِيُخْزِيَ الْفَاسِقِيْنَ ۝ ﴾

''بے شک رسول اللہ (ﷺ) نے قبیلۂ بنونضیر کے کھجوروں کے درختوں کو جلا ڈالا اور انھیں کٹوا ڈالا۔ یہ درخت مقام ''بویرہ'' میں تھے۔ بعد ازاں اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ﴿ جو کھجوروں کے درخت تم نے کاٹے یا انھیں ان کی جڑوں پر کھڑا رہنے دیا سو یہ (دونوں) عمل، اللہ ہی کے حکم سے تھے اور تا کہ نافرمانوں کو اللہ تعالیٰ ذلیل کرے۔ ﴾ [1]

رسول اکرم ﷺ کے دس سالہ خادم سیدنا انس رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں:

((أَمَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بِالنَّخْلِ فَقُطِعَ))

''نبی اکرم ﷺ نے (قبیلہ بنونضیر کی) کھجوروں کے درخت کاٹنے کا حکم دیا تو تعمیل ارشاد کے نتیجہ میں انھیں کاٹ دیا گیا۔'' [2]

قبیلہ بنونضیر قریش مکہ کی ایک شاخ بنولوی کا حلیف تھا۔ یعنی بنونضیر اور بنولوی کے درمیان صلح و جنگ میں ایک دوسرے کا ساتھ دینے کا معاہدہ تھا۔ لہٰذا بنونضیر کی اس جلا وطنی اور شکست کا بنولوی پر لازمی اثر پڑنا تھا۔ اسی مناسبت سے شاعر رسول سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ نے بنولوی کے سرداروں (یعنی بنونضیر کے دوستوں) کے حوالے سے یہ شعر کہا تھا:

وَ هَانَ عَلٰى سَرَاةِ بَنِيْ لُؤَيٍّ
حَرِيْقٌ بِالْبُوَيْرَةِ مُسْتَطِيْرُ

---

1. (صحيح البخاري= كتابُ التَّفسير : باب قوله ﴿ مَا قَطَعْتُمْ مِنْ لِيْنَةٍ ﴾: ٤٨٨٤)
2. (صحيح البخاري= كتابُ المُزَارَعَة: باب قطع الشَّجر والنَّخل قبل الحديث: ٢٣٢٥)

"قبیلہ بنولوی کے سرداروں کے لیے یہ معمولی بات تھی کہ "بویرہ" مقام پر (چہارسو) آگ کے شعلے بلند ہوں۔"

سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ کے اس شعر کے جواب میں کفار مکہ کے ایک شاعر ابوسفیان بن حارث نے اہل مدینہ کے لیے بددعا کرتے ہوئے اور اشعار کا قافیہ ملاتے ہوئے درج ذیل دو اشعار کہے تھے:

(۱) أَدَامَ اللّٰهُ ذَالِكَ مِن صَنِيعٍ
وَ حَرَّقَ فِي نَوَاحِيهَا السَّعِيرُ

"اللہ کرے کہ مدینہ میں ہمیشہ یوں ہی آگ لگی رہے اور اس کے چاروں طرف یوں ہی شعلے اٹھتے رہیں۔"

(۲) سَتَعلَمُ أَيُّنَا مِنهَا بِنُزْهٍ
وَ تَعلَمُ أَيُّ أَرضِينَا تَضِيرُ

"(اے حسان!) تمھیں جلد ہی معلوم ہو جائے گا کہ ہم میں سے کون اس آگ سے دور ہے؟ (اور سلامتی میں رہتا ہے) اور تمھیں یہ بھی پتا چل جائے گا کہ کس کی زمین کو نقصان پہنچتا ہے؟" [1]

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقصد درخت کٹوانے سے صرف یہ تھا کہ دشمن کی ڈھال اور آڑ ختم ہو جائے۔ جب مجاہدین اسلام نے جنگی ضرورت و مصلحت کے طور پر بنونضیر کے درخت کاٹے اور آگ بھی لگائی تو یہود مدینہ نے یہ صورت حال دیکھ کر پیغمبر اسلام

[1] (صحیح البخاری= کتاب المَغَازِی: باب حدیث بنی النَّضیر.... الح: ۴۰۳۲)

جناب رسول اکرم ﷺ کو آواز دی اور کہا:

"اے محمد! آپ کا دعویٰ ہے کہ آپ اللہ کے نبی ہیں اور زمین میں اصلاح والے کام کرنا چاہتے ہیں۔ بتلایئے! یہ پھلدار درخت کاٹنا کہاں کی اصلاح ہے؟ یہ تو صریحاً فساد فی الارض ہے۔"

یہ بات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر بہت شاق گزری۔ یہودیوں کے اس طعنے کے جواب میں سورۃ الحشر کی مذکورہ بالا آیت نازل ہوئی۔ جس میں واضح کر دیا گیا کہ ان درختوں کو کاٹنے اور جلانے کا حکم رسول اللہ ﷺ کا اپنی طرف سے نہیں تھا، بلکہ یہ حکم الٰہی تھا۔

محل استدلال:

لہٰذا ہمارا تو عقیدہ ہے کہ نبی اکرم ﷺ پر اللہ کی طرف سے قرآن مجید کے علاوہ بھی وحی نازل ہوتی تھی۔ رسول اللہ ﷺ سے اللہ تعالیٰ کا قرآن کے علاوہ بھی رابطہ تھا۔ وحی صرف قرآن تک ہی محدود نہیں تھی۔ مذکورہ آیت سے بھی واضح ہو رہا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اکرم ﷺ کو قرآن کے علاوہ بھی احکام دیے گئے ہیں۔ قرآن کی آیت میں صراحت موجود ہے کہ ﴿فَبِإِذْنِ اللّٰهِ﴾ یعنی رسول اللہ ﷺ نے یہ درخت کاٹنے کا حکم اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت ہی دیا تھا۔ ہمیں تو ابھی تک قرآن مجید میں کوئی ایسی آیت نہیں ملی جس میں اللہ تعالیٰ نے درخت کاٹنے کا حکم دیا اور وہ حکم درخت کٹوانے سے پہلے نازل ہوا ہو اور وہ قرآن کی آیت کی شکل میں قرآن میں موجود ہو۔

اب ہمارا منکرین حدیث سے پہلا سوال یہ ہے کہ اگر قرآن کے علاوہ اور کوئی وحی نازل نہیں ہوتی تھی تو بتایئے! قرآن میں وہ آیت کہاں ہے؟ جس میں درخت کٹوانے کا حکم دیا گیا تھا؟

دوسرا سوال:

حرمت والے مہینوں کے ناموں کی وضاحت قرآن مجید کی کونسی آیت میں ہے؟

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَ اللّٰهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ يَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوَاتِ وَالْاَرْضَ مِنْهَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ط ذَالِكَ الدِّيْنُ الْقَيِّمُ فَلَا تَظْلِمُوْا فِيْهِنَّ اَنْفُسَكُمْ وَ قَاتِلُوا الْمُشْرِكِيْنَ كَآفَّةً كَمَا يُقَاتِلُوْنَكُمْ كَآفَّةً وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ﴾ (التوبة= ٩:٣٦)

''مہینوں کی گنتی اللہ کے نزدیک کتاب اللہ میں بارہ ہے (یہ تعداد اس دن سے مقرر کی جا چکی ہے) جس دن سے اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا تھا۔ ان میں سے چار (بہت زیادہ) ادب و احترام والے مہینے ہیں۔ یہی سیدھا دین ہے۔ تم ان مہینوں میں اپنی جانوں پر ظلم نہ کرو اور تم تمام مشرکوں سے لڑو جیسے کہ وہ تم سب سے لڑتے ہیں اور جان لو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے''

حرمت والے مہینوں کا احترام اور رسم نَسِیٔ:

یہود و نصاریٰ کی طرح مشرکین عرب بھی دینی احکام میں تغیر و تبدل کے لیے حیلہ سازی سے کام لیتے تھے۔ مثلاً دین ابراہیم میں یہ طریقہ چلا آ رہا تھا کہ حرمت والے مہینوں میں لڑائی جھگڑا اور ظلم و زیادتی ممنوع تھی۔ حتی کہ ان مہینوں میں کوئی اپنے سگے باپ کے قاتلوں سے بھی انتقام نہیں لیتا تھا۔ لڑائی جھگڑا، قتل و قتال، دنگا فساد، خون خرابہ، مار دھاڑ، جنگ و جدل، عرب کے جاہلی قبائل میں یوں رچ بس گیا تھا کہ ان حرمت والے مہینوں کی حرمت کو ملحوظ رکھتے ہوئے تین ماہ مسلسل قتل و قتال سے اجتناب ان کے لیے انتہائی دشوار تھا۔

اپنی اس جبلی کمزوری اور خصلت باطلہ کی تشفی کے لیے انھوں نے یہ حل ڈھونڈ نکالا تھا کہ جس مہینے میں وہ قتل و غارت گری کرنا چاہتے تھے۔ اس میں وہ کر لیتے تھے اور حج کے دنوں میں اعلان کر دیتے تھے کہ ہم نے جس مہینا میں جنگ و قتال کیا ہے اب اس کی جگہ فلاں مہینا حرمت والا ہوگا (یہ اعلان کرنے کی ذمہ داری عرب کے مشہور قبیلہ بنی کنانہ کی تھی) مثلاً محرم کے مہینے کی حرمت کو پامال کر کے اس کی جگہ ماہ صفر کو حرمت والا مہینا قرار دے دیتے اس طرح اپنی منشا اور خواہش کے مطابق وہ حرمت والے مہینوں میں تقدیم و تاخیر اور ادل بدل کرتے رہتے تھے۔ اس تغیر و تبدل اور الٹ پلٹ کے غلط طریقہ کار کو وہ اپنے طور پر "النَّسی" کہتے تھے۔ یہ وہی "رسم نسیٔ" ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورۃ التوبہ کی آیت نمبر:۳۷ میں فرمایا کہ یہ رسم تو ان کے کفر میں مزید اضافے کا باعث ہے۔ وہ پہلے ہی کافر تھے مگر اس رسم بد کو ایجاد کرنے سے کوئی دینی یا

دنیاوی فائدہ تو کیا حاصل ہونا تھا، ان کے کفر و الحاد میں مزید اضافہ ہو گیا۔ کیونکہ اس سے مقصود محض لڑائی جھگڑا اور خون خرابہ ہی تو تھا۔ اس ''رسم نسی'' کے لازمی نتیجہ کے طور پر کبھی کبھار سال کے مہینوں کی تعداد میں بھی فرق پڑ جاتا۔ کبھی ایک سال کے تیرہ ماہ بن جاتے تو کبھی ایک سال کے چودہ ماہ بن جاتے۔

اس سارے پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے ہاں اللہ تعالیٰ کی کتاب (لوح محفوظ) میں بارہ ہی مقرر کی گئی ہے۔ یہ تعداد اس دن ہی متعین کر دی گئی تھی جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ ان میں سے چار بہت زیادہ احترام و اکرام والے مہینے ہیں۔ جن میں لڑائی جھگڑا بدرجہ اولیٰ حرام ہے، یہی سیدھا دین ہے۔ لہٰذا تم ایک دوسرے کے گلے کاٹ کر، خون بہا کر، لوٹ مار کر کے ایک دوسرے پر ظلم نہ کرو۔ ان مہینوں میں تم از خود جنگ کا آغاز نہ کرو، لیکن اگر مشرکین تم سے ان مہینوں میں جنگ و قتال کرتے ہیں تو پھر تم بھی سب مل کر ان سے جہاد کرو جس طرح وہ سب مل کر تم سے جنگ کرتے ہیں۔ یہ بھی یاد رکھو کہ اللہ تعالیٰ پرہیزگاروں کا ساتھ دیتا ہے۔''

قرآن مجید کی اس آیت کریمہ کے مفہوم سے یہ تو معلوم ہوا کہ سال کے مہینوں کی تعداد بارہ ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ ان میں ایک دوسرے پر ظلم و ستم ڈھانا ہرگز جائز نہیں ہے۔ مگر سارا قرآن پڑھ کر دیکھ لیں اللہ تعالیٰ نے ان چار مہینوں کا کہیں نام نہیں بتایا۔ جب تک ان کے

ناموں کا پتا نہیں چلے گا تو اس حکم پر عمل کیسے ہو سکے گا ؟ کہ ان مہینوں میں ایک دوسرے پر ظلم وستم نہ ڈھاؤ۔

لیکن ہمارے لیے اللہ تعالیٰ نے اس مشکل کو بھی آسان بنا دیا ہے۔ ہمارا سینہ اس بارے میں کھول دیا کہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ حدیث بھی شریعت الٰہی کا حصہ ہے جس طرح قرآن وحی الٰہی ہے، اسی طرح حدیث بھی وحی الٰہی ہے۔ جن باتوں کو قرآن نے صرف اصول اور ضابطے کے طور پر بیان کیا ہے اگر وہ کہیں قابل وضاحت اور لائق تشریح ہیں تو اس کی وضاحت اور تشریح حدیث رسول ﷺ اور سنت مصطفیٰ ﷺ کے ذریعہ کر دی گئی ہے۔

حدیث رسول ﷺ سے حرمت والے مہینوں کی وضاحت:

لہٰذا ذخیرۂ احادیث میں سب سے زیادہ قابل اعتماد صحیح بخاری اور صحیح مسلم ہیں۔ جن کو اکابرین امت اور سابقین ملت نے بالاتفاق صحیحین قرار دیا ہے کہ ان میں کوئی ضعیف یا موضوع حدیث ہے ہی نہیں۔ ان دونوں حدیث کی معتمد ترین، معتبر ترین اور صحیح ترین کتابوں میں جناب محمد رسول اللہ ﷺ کا فرمان موجود ہے جو آپ ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ارشاد فرمایا:

« إِنَّ الزَّمَانَ قَدِ اسْتَدَارَ كَهَيْئَتِهِ يَوْمَ خَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ۔ السَّنَةُ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا، مِنْهَا أَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ثَلَاثٌ مُتَوَالِيَاتٌ: ذُوالْقَعْدَةِ ، وَ ذُوالْحِجَّةِ ، وَالْمُحَرَّمُ وَ رَجَبُ مُضَرَ الَّذِي بَيْنَ جُمَادٰى وَ شَعْبَانَ »

”بے شک زمانہ گھوم گھما کر اپنی پہلی اسی حالت پر آ چکا ہے جس حالت پر اس وقت تھا جب اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ ایک سال بارہ مہینوں کا ہے۔ ان میں سے چار حرمت والے مہینے ہیں۔ تین تو لگا تار ہیں: (۱) ذوالقعدہ (۲) ذوالحجہ (۳) محرم اور چوتھا قبیلۂ مضر کا مہینا رجب ہے۔ جو جمادی الاُخریٰ اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔“ ❶

مذکورہ حدیث رسول ﷺ میں دو باتیں قابل وضاحت ہیں:

❶ رسول اللہ ﷺ نے جو یہ فرمایا ہے کہ زمانہ گھوم پھر کر اپنی پہلی حالت پر آ گیا ہے۔ جس حالت پر اس دن تھا جس دن اللہ تعالیٰ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا تھا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ کفار عرب چونکہ مہینوں میں رد و بدل کرتے رہتے تھے۔ اس رد و بدل کے نتیجے میں وہ حرمت والے مہینوں کا اصل تعین ہی بھول چکے تھے۔ اب یہ بہت ہی حسین اتفاق تھا کہ جس سال رسول اکرم ﷺ نے اپنی حیات طیبہ کا واحد حج کیا تو اس سال ذوالحجہ کا مہینا اپنے اصل تعین اور تقرر پر آ رہا تھا۔ اپنے اسی تقرر پر واقع ہو رہا تھا جس پر اس کا تقرر ابتدائے آفرینش کے وقت ہوا تھا۔ اسی مناسبت سے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ زمانہ گھوم گھما کر اور تغیرات کی بہت زیادہ کروٹیں برداشت کرتا ہوا اپنی پہلی والی حالت پر آ گیا ہے۔ لہٰذا آئندہ سے اس میں کسی قسم کی تقدیم و تاخیر اور رد و بدل والی غلط حرکت کا ارتکاب نہ کرنا۔ (شرح نووی)

---

❶ (بخاری= کتابُ التَّفسیر، باب قوله ﴿ إِنَّ عِدَّةَ الشُّهُورِ عِندَ اللَّهِ اثْنَا عَشَرَ شَهْرًا ...... ﴾، ٤٦٦٢ + مسلم= كتابُ القَسَامة: باب تغليظ تحريم الدّماء، .. .. الخ : ١٦٧٩)

۲ رسول اللہ ﷺ نے جو یہ فرمایا کہ ''مضر کا رجب'' اس کا مطلب یہ ہے کہ عرب کے قبائل میں سے دو مشہور قبیلے تھے۔ ایک قبیلہ مُضَر اور دوسرا قبیلہ ربیعہ۔ ان دونوں قبیلوں کے درمیان رجب کے تعین میں اختلاف تھا۔ ان میں سے قبیلۂ مضر تو اسی مہینا کو رجب کہتا تھا جو آج بھی اپنے نام سے مشہور ہے اور جو جمادیٰ الاخریٰ اور شعبان کے درمیان آتا ہے۔ جب کہ قبیلۂ ربیعہ اس سے اگلے مہینہ شعبان کو رجب قرار دیتا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمانِ ذی شان میں قبیلۂ مضر کے موقف کی تائید کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ رجب جو قبیلۂ مضر کے ہاں رجب ہے۔ یا پھر اس کا یہ بھی مطلب بیان کیا جاتا ہے کہ قبیلۂ مضر رجب کا احترام اتنا زیادہ کرتے تھے کہ عرب کا کوئی دوسرا قبیلہ اس کا اتنا احترام نہیں کرتا تھا۔ اس خصوصی احترام کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ نے اس مہینا کی نسبت قبیلۂ مضر کی طرف فرمائی ہے۔ (شرح نووی)

وجہِ استدلال:

مذکورہ بالا حدیث رسول اللہ ﷺ سے معلوم ہو گیا کہ بارہ مشہور قمری مہینوں میں سے چار حرمت والے مہینے: ذوالقعدہ، ذوالحجہ، محرم اور رجب ہیں۔ جب کہ قرآن حکیم سے ہمیں کوئی ایسی آیت نہیں ملی جس میں ان حرمت والے مہینوں کے نام واضح کیے گئے ہوں۔ اس پورے سیاق وسباق کے بعد ہمارا منکرین حدیث سے دوسرا یہ سوال ہے کہ اگر قرآن ہی وحی ہے، ہدایت و رہنمائی کے لیے صرف قرآن ہی کافی ہے، حدیث رسول ﷺ وحی الٰہی اور منزل من اللہ نہیں ہے تو بتایئے! قرآن مجید میں وہ آیت کس سورت میں ہے جس میں حرمت والے مہینوں کے نام واضح کیے گئے ہیں۔

اگر کوئی منکر حدیث عرب کے رواج کا سہارا لینے کی کوشش کرے تو وہ اس سہارے کے حصول میں کامیاب نہیں ہو سکے گا کیونکہ عرب کے رواج کے مطابق ''رسم نسئ'' کے تحت معاملہ بہت حد تک خلط ملط ہو چکا تھا۔ اس حوالہ سے منکرین حدیث پر ایک دوسرا سوال بھی لازم ٹھہرے گا کہ تمھیں کفار عرب اور مشرکین عرب کے جاہلی رواج کے مطابق حرمت والے مہینوں کا تقرر تو قبول ہے مگر پیغمبر اسلام، رسول برحق، نبی آخر الزماں، ہادی اعظم جناب محمد ﷺ کی زبان اطہر سے کیا ہوا تقرر قبول نہیں؟

الٹی سمجھ بھی کسی کو اللہ نہ دے
دے موت مگر یہ ادا نہ دے

تیسرا سوال:

بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا حکم قرآن مجید میں کس جگہ ہے؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ كَذَالِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾ (البقرة=٢:١٤٣)

''ہم نے اسی طرح تمھیں امت وسط (بہترین امت) بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو جائیں۔ جس قبلہ کی طرف آپ پہلے چہرہ کرکے نماز پڑھتے تھے۔ اس کو ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول کا سچا پیروکار کون ہے اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں پر پھر جاتا ہے؟ گو یہ (اتباع رسول ﷺ والا) کام مشکل ہے۔

مگر جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت دی ہے (ان پر بالکل مشکل نہیں ہے) اللہ تعالیٰ تمھارا ایمان (نماز) ضائع نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے''

آیت مذکورہ بالا میں اللہ رب العزت نے دو اہم باتوں کی طرف رہنمائی فرمائی ہے: پہلی بات یہ سمجھائی کہ ہم نے تم کو امت وسط (امت معتدل یا بہترین امت) بنایا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ اس کی وجہ بھی واضح کر دی کہ تم لوگوں پر گواہ بن سکو اور رسول تم پر گواہی دے سکیں۔ دوسری بات یہ سمجھائی کہ بیت اللہ یعنی کعبۃ اللہ کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھنے کے حکم سے پہلے بیت المقدس کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم ہم ہی نے تمھیں دیا تھا۔ ساتھ ہی ساتھ اس کی وجہ بھی واضح کر دی گئی کہ ہم یہ چیک کرنا چاہتے تھے کہ کون ہے جو تحویل قبلہ کے اس حکم کے نازل ہونے کے بعد اپنی خواہش اور آبائی روایات کی پیروی چھوڑ کر ہمارے بھیجے ہوئے رسول ﷺ کی اطاعت کرتا ہے اور کون ہے جو اتباع سنت رسول اختیار نہ کرتے ہوئے کفر و ارتداد والی روش اپنا کر اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاتا ہے۔

امت وسط کا مطلب پیغمبر اسلام ﷺ کی زبان سے:

مذکورہ آیت کے پہلے حصے پر اگر غور فرمائیں تو فقط آیت کے الفاظ میں بہت زیادہ تشنگی پائی جاتی ہے۔ مثلاً ہم نے آپ کو امت وسط بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہ ہو جاؤ اور رسول تم پر گواہ ہو جائیں'' مذکورہ فرمان میں ''لوگوں'' سے کون سے لوگ مراد ہیں۔ لیکن جب ہم اس بات کی تفسیر و تشریح کے لیے حدیث رسول ﷺ کی طرف رجوع

کرتے ہیں تو معاملہ صاف اور واضح ہو جاتا ہے اور بات پوری طرح سمجھ میں آ جاتی ہے۔ سیدنا ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« يَجِيْءُ نُوْحٌ وَ أُمَّتُهُ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى : هَلْ بَلَّغْتَ ؟ فَيَقُوْلُ : نَعَمْ أَيْ رَبِّ! فَيَقُوْلُ لِأُمَّتِهِ : هَلْ بَلَّغَكُمْ ؟ فَيَقُوْلُوْنَ : لَا ، مَا جَآءَنَا مِنْ نَبِيٍّ۔ فَيَقُوْلُ لِنُوْحٍ : مَنْ يَّشْهَدُ لَكَ ؟ فَيَقُوْلُ : مُحَمَّدٌ وَ أُمَّتُهُ فَنَشْهَدُ أَنَّهُ قَدْ بَلَّغَ وَ هُوَ قَوْلُهُ جَلَّ ذِكْرُهُ ﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ أُمَّةً وَّسَطًا لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا...... ﴾ (البقرۃ:١٤٣) وَالْوَسَطُ الْعَدْلُ »

”قیامت کے دن جناب نوح علیہ السلام بارگاہِ الٰہی میں حاضر ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ان سے سوال کریں گے کہ کیا میرا پیغام آپ نے اپنی امت تک پہنچا دیا تھا؟ جناب نوح علیہ السلام عرض کریں گے: جی ہاں! اے میرے پروردگار! میں نے آپ کا پیغام پہنچا دیا تھا۔ (اس کے بعد) اللہ تعالیٰ ان کی امت سے دریافت کریں گے کہ کیا میرے رسول نوح (علیہ السلام) نے میرا پیغام تم تک پہنچا دیا تھا؟ قوم نوح کے افراد (صاف جھوٹ اور غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے) جواب دیں گے کہ نہیں! ہمارے پاس تو (تیرا) کوئی نبی نہیں آیا۔ اس پر اللہ رب العزت جناب نوح علیہ السلام سے استفسار کریں گے کہ کیا آپ کی طرف سے آپ کے حق میں کوئی گواہی دے سکتا ہے؟ جناب نوح علیہ السلام عرض کریں گے: جی ہاں! میری طرف سے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی امت گواہی دے گی۔

چنانچہ اس وقت ہم اس بات کی گواہی دیں گے کہ اوّل الرسل اور آدم ثانی جناب نوح علیہ السلام نے پیغام الٰہی اپنی امت تک پہنچا دیا تھا۔ یہی مفہوم اور مطلب ہے اللہ جل ذکرہ کے اس فرمان کا ﴿ وَ كَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَ يَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ..... ﴾ (یعنی ہم نے تمھیں سب سے بہترین امت بنایا ہے تاکہ تم لوگوں پر گواہی دے سکو اور محمد رسول صلی اللہ علیہ وسلم تم پر گواہی دے سکیں) الوسط کے معنی العدل کے ہیں یعنی معتدل اور منصف مزاج۔" ❶

مسند احمد (۳/ ۳۲) میں امام احمد ابن حنبل رحمہ اللہ نے ان الفاظ کا اضافہ بھی نقل کیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

« فَتُدْعَوْنَ فَتَشْهَدُوْنَ لَهُ بِالْبَلَاغِ ثُمَّ أَشْهَدُ عَلَيْكُمْ »

"تم کو گواہی کے لیے بلایا جائے گا تو تم نوح علیہ السلام کے بارے میں پیغام الٰہی پہنچانے کی گواہی دو گے۔ جب کہ میں تمھاری گواہی دوں گا (کہ واقعتاً یہ درست کہہ رہے ہیں) (یاد رہے کہ مذکورہ حدیث میں سوال و جواب والی مکمل کارروائی محض اتمام حجت کے طور پر ہوگی ورنہ اللہ تعالیٰ تو ہر چیز سے باخبر اور آگاہ ہے)

مذکورہ بالا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ ساری بات واضح ہو جاتی ہے کہ ﴿النَّاس﴾ سے کون سے لوگ مراد ہیں اور ﴿ اُمَّةً وَّسَطًا ﴾ کا اصل مفہوم و معنیٰ کیا ہے؟ آیت کے

❶ (بخاری کتاب أحادیثِ الأنبیاء: باب قول اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ ﴿وَ لَقَدْ أَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ ..... ﴾ : ۳۳۳۹)

اس حصہ کے بارے میں گزشتہ گزارشات سرِ راہ زیر بحث آ گئیں۔ جب کہ ہمارے مضمون اور اصل گفتگو کے لیے محل استدلال آیت کا دوسرا حصہ ہے۔ جس میں تبدیلیٔ قبلہ کا بیان ہے۔

تحویل قبلہ اور اس کی حکمتیں اور مصلحتیں:

سورۃ البقرہ کی آیت:۱۴۳ کے دوسرے حصہ میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَا اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ ؕ وَ اِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَى الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ؕ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾

”جس قبلہ پر تم پہلے سے تھے اسے ہم نے صرف اس لیے مقرر کیا تھا کہ ہم جان لیں کہ رسول ﷺ کا (سچا) تابعدار کون ہے؟ اور کون ہے جو اپنی ایڑیوں پر پھر جاتا ہے؟ گو یہ کام دشوار ہے، مگر جنھیں اللہ رب العزت نے ہدایت دی ہے (ان کے لیے ہرگز دشوار نہیں ہے) اللہ تعالیٰ تمھارا ایمان (نماز) ضائع نہیں کرے گا (بلکہ) اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت اور مہربانی کرنے والا ہے۔“

آیت مذکورہ کے اس دوسرے حصہ سے تحویل قبلہ کے واقعہ سے درج ذیل حکمتیں اور مصلحتیں معلوم ہوئیں:

﴿۱﴾ بیت المقدس کی طرف سولہ یا سترہ ماہ نمازیں:

اللہ تعالیٰ نے اپنے اس فرمانِ عالی شان میں یہ بتایا ہے کہ آپ جس قبلہ پر پہلے سے کاربند چلے آرہے ہیں اس کو قبلہ ہم ہی نے مقرر کیا تھا۔ اس قبلہ سے کونسا قبلہ مراد ہے؟ احادیث میں اس قبلہ کے نام کی وضاحت موجود ہے کہ اس قبلہ سے مراد "بیت المقدس" ہے۔ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

« صَلَّيْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ نَحوَ بَيْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّةَ عَشَرَ أَوْ سَبْعَةَ عَشَرَ شَهْرًا ثُمَّ صَرَفَهُ نَحوَ الْقِبْلَةِ »[1]

"ہم نے نبی کریم ﷺ کے ساتھ سولہ (۱٦) مہینے یا سترہ (۱۷) مہینے تک بیت المقدس (مسجد اقصیٰ) کی طرف چہرہ کرکے نماز پڑھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ہمارے لیے اس قبلہ (کی سمت) کو پھیر دیا اور ہمارا قبلہ بیت اللہ (یعنی کعبۃ اللہ) کو متعین کر دیا۔"

﴿۲﴾ تحویل قبلہ پر مخالفین کا شور و غوغا:

منافقین اور یہود مدینہ ہر وقت اس تاک میں رہتے تھے کہ مسلمانوں کو زچ کرنے کا کوئی موقع ہاتھ آئے تو ہم اس سے خوب فائدہ اٹھائیں۔ یہی وجہ ہے کہ واقعہ تحویل قبلہ کو بھی یہود مدینہ اور منافقین مدینہ نے خوب استعمال کیا۔ رسول اکرم ﷺ جب مکہ

---

[1] [بخاری= كتاب التَّفسير، باب ﴿وَ لِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا﴾ : ٤٤٩٢+ مسلم= كتاب المساجد وَ مَوَاضِعِ الصَّلٰوةِ: باب تحويل القبلة من القدس الى الكعبة : ٥٢٥]

سے مدینہ کی طرف تشریف لے گئے تو سولہ ماہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف اپنا چہرہ انور کر کے نماز ادا کیا کرتے رہے۔ جب کہ آپ کی دلی خواہش تھی کہ بیت اللہ کی طرف رخ کر کے ہی نماز ادا کی جائے۔ جو ''قبلۂ ابراہیمی'' ہے۔ اس کے لیے آپ دعا بھی فرماتے اور بار بار آسمان کی طرف نگاہ بھی اٹھاتے تا آنکہ اللہ تعالیٰ نے تبدیلیٔ قبلہ کا حکم نازل فرما دیا۔ جس پر یہود مدینہ اور منافقین مدینہ نے خوب شور مچایا کہ یہ دین کیسا دین ہے؟ یہ نبی کیسا نبی ہے؟ کبھی کوئی قبلہ تو کبھی کوئی قبلہ؟ اس دین اور نبی کا کیا اعتبار ہے؟ وغیرہ وغیرہ۔

اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے جو پہلے بیت المقدس قبلہ مقرر کیا تھا اس کا مطلب ہی یہ تھا کہ ہم دیکھیں کون میرے رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اپنی ضد اور انانیت کا شکار ہو جاتا ہے؟

۳ اہمیت اتباع وفرمانبرداری کی ہے نا کہ جہت وسمت کی:

نماز ایک عبادت ہے۔ عبادت کرتے وقت عابد تو پابند ہوتا ہے جس طرح اس کو عبادت کا معبود کی طرف سے حکم دیا جائے وہ اسی طرح عبادت کرتا ہے۔ جس جس وقت اس کو عبادت کا حکم دیا جائے وہ اسی اسی وقت عبادت کے اعمال بجا لاتا ہے اور جس سمت اور جہت کی طرف عبادت کرنے کا حکم ہو وہ سر تسلیم خم کرتا ہوا اسی سمت اور جہت کو اختیار کر لیتا ہے۔ کیونکہ عبادت خالق کائنات، مالک حقیقی اور شہنشاہ کون و مکان اللہ رب العزت کی بات ماننے ہی کا نام ہے۔ لہٰذا جس طرف پھرنے کا حکم ملا تھا اسی طرح پھر جانا ضروری تھا۔ گویا اہم چیز اطاعت وفرمانبرداری ہے نہ کہ جہت وسمت۔

علاوہ ازیں جس اللہ کی عبادت مقصود ہے۔ مغرب و مشرق، شمال و جنوب سب اسی کی قائم کی ہوئی جہتیں ہیں۔ اس لیے جہتوں کی کوئی اہمیت نہیں۔ ہر جہت میں اللہ کی عبادت ہو سکتی ہے۔ صرف اتنی شرط ہے کہ اس جہت کو اختیار کرنے کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہو۔ یہی وجہ ہے کہ تحویل قبلہ کا یہ حکم نماز عصر سے کچھ ہی پہلے آیا اور اس کے بعد جب نماز عصر کا وقت ہوا تو سب سے پہلی نماز "نماز عصر" خانہ کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھی گئی۔

۴ بیت المقدس عارضی قبلہ تھا:

تحویل قبلہ کے حوالے سے یہ بات پیش نظر رہے کہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم عارضی اور وقتی تھا۔ تمام امم سابقہ اور امم مسلمہ کے لیے مستقل قبلہ خانہ کعبہ ہی تھا۔ ابو البشر جناب آدم علیہ السلام نے جب اسے بار اوّل تعمیر کیا تھا تو بھی یہی قبلہ تھا۔ امام الحنفاء، جد الانبیاء جناب ابراہیم علیہ السلام نے جب اس کی تعمیر نو کی تھی تو بھی یہی قبلہ تھا۔ مگر جب سلیمان بن داؤد علیہما السلام نے "ہیکل سلیمانی" تعمیر کیا تو تابوت سکینت چونکہ صخرہ پر پڑا رہتا تھا۔ (یہ وہ تابوت سکینت ہے جس کا تذکرہ سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر: ۲۴۸ میں موجود ہے اور صخرہ، بیت المقدس کے قریب ہی ایک مقدس جگہ کا نام ہے) لہٰذا بنی اسرائیل بیت المقدس کی طرف چہرہ کر کے نماز ادا کرتے تھے۔ آہستہ آہستہ انھوں نے اسے ہی مستقل قبلہ بنا لیا چونکہ اللہ تعالیٰ نے اس پر کوئی گرفت اور وعید نازل نہ فرمائی تھی۔ جس کی بنا پر اس کو شرعاً بھی درست سمجھا گیا مگر یہ قبلہ صرف بنی اسرائیل ہی کا قبلہ تھا۔ یہاں تک کہ مشرکین مکہ نے بھی بیت المقدس کو اپنا قبلہ تسلیم

نہیں کیا تھا۔ وہ کعبہ ہی کی طرف رخ کر کے عبادت کرتے تھے۔

چونکہ مشرکین مکہ کے بجائے رسول اکرم ﷺ اہل کتاب کو بہتر سمجھتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ رومیوں اور ایرانیوں کی لڑائی کے وقت رسول اللہ ﷺ کے جذبات اہل کتاب ہونے کی وجہ سے رومیوں کے حق میں تھے۔ لہٰذا جب تک مکہ میں تھے اس وقت تک تو دونوں رکنوں (رکن یمانی اور رکن شامی) کے درمیان کھڑے ہو کر آپ نماز ادا کرتے رہے۔ آپ ﷺ کا چہرہ انور بیک وقت بیت اللہ کی طرف ہو جاتا اور بیت المقدس کی طرف بھی۔ مگر مدینہ ہجرت کر جانے کے باعث دونوں طرف رخ کرنا ممکن نہ تھا کیونکہ مدینہ میں رہتے ہوئے دونوں قبلے متضاد سمتوں میں پڑتے تھے۔ لہٰذا رسول اکرم ﷺ نے اہل کتاب کی طرف اپنے میلان کی بنا پر کعبہ کی بجائے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دیا تاکہ مشرکین مکہ سے امتیاز ہو سکے۔ مگر دلی خواہش اور اصلی تمنا یہی تھی کہ کعبۃ اللہ ہی ہمارا قبلہ قرار پائے۔ تقریباً سولہ یا سترہ ماہ بعد اس تمنا کو اللہ رب العالمین کی طرف سے عملی جامہ پہنا دیا گیا۔

⑤ متبعین سنت رسول کی آزمائش:

بیت المقدس کو عارضی قبلہ کیوں بنایا گیا؟ اس کی وجہ دراصل یہ تھی کہ کسی قوم کے قبلہ کو تسلیم کر لینا دراصل اس قوم کی قیادت، سیادت اور امامت کو تسلیم کر لینے کے مترادف ہوتا ہے۔ لہٰذا پیغمبر اسلام، سید دو عالم جناب محمد رسول ﷺ نے ابتدائی دور میں بیت المقدس کو قبلہ بنایا تو اس کی ایک وجہ تو یہ تھی کفر و شرک کی بنا پر مشرکین مکہ کی مخالفت پیش نظر تھی۔ دوسری وجہ وہ تھی جس کی اللہ تعالیٰ نے بھی وضاحت فرمائی ہے کہ

اس سے خارستان کفر کو خیر باد کہہ کر گلستان اسلام میں نئے نئے وارد ہونے والے مسلمانوں کا امتحان مقصود تھا۔ جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰى عَقِبَيْهِ﴾ (البقرۃ:۲:۱۴۳)

''آپ کے لیے بیت المقدس کو قبلہ محض اس لیے بنایا تھا) تاکہ ہم جان لیں کہ کون ہے جو رسول کی پیروی کرتا ہے اور کون اپنی ایڑیوں پر پھر جاتا ہے۔''

وہ امتحان یہی تھا کہ ہر قوم اپنے مذہبی اور دینی شعائر سے انتہا درجہ کی محبت رکھتی ہے۔ مکہ میں اسلام لانے والے اکثر و بیشتر چونکہ مشرکین مکہ میں سے ہوتے تھے۔ اس لیے فی الحقیقت ان کا اس بات میں بڑا کڑا امتحان تھا کہ وہ اسلام لانے کے بعد کس قدر امتثالِ امرِ الٰہی اور اتباع سنت رسول کا فراخدلانہ مظاہرہ کرتے ہیں۔ اپنا آبائی قبلہ بیت اللہ چھوڑ کر بیت المقدس کو اپنا قبلہ بناتے ہیں یا پھر اسی آبائی قبلہ پر اڑے رہتے ہیں؟

اب اگلا سوال یہ ہے کہ دوبارہ بیت اللہ ہی کو مستقل قبلہ قرار دینے میں اور رسول اللہ ﷺ کے بار بار آسمان کی طرف نگاہ اٹھانے میں کونسی حکمت بالغہ پنہاں تھی؟ ہجرت کے بعد جب آپ مدینہ پہنچے تو صورت حال اب بالکل ہی بدل چکی تھی۔ مسلمانوں کی ایک آزاد چھوٹی سی اسلامی ریاست معرض وجود میں آ چکی تھی، اب بیت المقدس کو قبلہ بنائے رکھنا گویا ذہنی طور پر یہود کی قیادت و سیادت قبول کر لینے کے مترادف تھا۔ لہٰذا اب آپ ﷺ یہ چاہتے تھے اور اسی لیے بار بار بارگاہِ الٰہی میں التجا کرتے تھے کہ تمام امم سابقہ کے قبلہ ''خانہ کعبہ'' ہی کو امت مسلمہ اور ملت اسلامیہ کے لیے مستقل قبلہ قرار دے دیا جائے۔

﴿٦﴾ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے اتباع سنت رسول کا بے مثال نمونہ:

دیگر مواقع اور معاملات کی طرح واقعہ تحویل قبلہ میں بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سنت رسول اور حدیث رسول کی اتباع کا کمال مظاہرہ کیا۔ سنت رسول اور حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی کے وہ عملی نمونے پیش کیے کہ جو کسی بھی نبی اور رسول کے ماننے والے اس نیلے آسمان کے نیچے اور خاکی زمین کے اوپر پیش نہ کر سکے۔ جو شخص بھی وادیٔ کفر کو چھوڑ کر چمن اسلام میں داخل ہوتا جاتا تھا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت فعلی اور حدیث فعلی پر عمل پیرا ہوتا جاتا تھا اور بیت المقدس کی طرف اپنا رخ کر کے نماز پڑھنے لگ جاتا تھا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں اتباع حدیث و سنت کے حوالے سے ایسی تربیت ہو چکی تھی کہ جب بیت المقدس سے رخ پھیر کر بیت اللہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کا حکم جناب جبریل علیہ السلام لے کر تشریف لائے تو اس وقت بھی کسی نے چوں و چرا کیے بغیر فوراً سر تسلیم خم کر دیا۔

صحیح البخاری میں دو واقعات تو ایسے ملتے ہیں کہ حالتِ نماز ہی میں جب انھیں یہ پتا چل گیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اب مسجد حرام کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنا شروع کر دی ہے اور اللہ کی طرف سے بیت اللہ کو قبلہ مقرر کر دیا گیا ہے تو انھوں نے حالت نماز ہی میں اپنے رخ بیت المقدس سے مسجد حرام کی طرف پھیر لیے۔

پہلا واقعہ، مسجد قبلتین میں تحویل قبلہ:

سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

«أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ كَانَ أَوَّلُ مَا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ نَزَلَ

عَلٰی اَجْدَادِہٖ ـــــ أَو قَالَ : أَخْوَالِہٖ ـــــ مِنَ الْأَنْصَارِ ـ وَ أَنَّہٗ صَلّٰی قِبَلَ بَیْتِ الْمَقْدِسِ سِتَّۃَ عَشَرَ شَھْرًا أَوْ سَبْعَۃَ عَشَرَ شَھْرًا وَ کَانَ یُعْجِبُہٗ أَنْ یَّکُوْنَ قِبْلَتُہٗ قِبَلَ الْبَیْتِ ـ وَ أَنَّہٗ صَلّٰی ـــــ اَوَّلَ صَلَاۃٍ صَلَّاھَا ـــــ صَلَاۃَ الْعَصْرِ وَ صَلّٰی مَعَہٗ قَوْمٌ فَخَرَجَ رَجُلٌ مِمَّنْ صَلّٰی مَعَہٗ فَمَرَّ عَلٰی اَھْلِ مَسْجِدٍ وَ ھُمْ رَاکِعُوْنَ ـ فَقَالَ: أَشْھَدُ بِاللّٰہِ لَقَدْ صَلَّیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ ﷺ قِبَلَ مَکَّۃَ فَدَارُوْا کَمَا ھُمْ قِبَلَ الْبَیْتِ » [1]

''نبی اکرم ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو پہلے اپنے ننھیال کے ہاں ٹھہرے جو انصار مدینہ تھے۔ (آپ کی والدہ کا تعلق مدینۃ الرسول سے تھا) وہاں آپ ﷺ نے سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی۔ آپ کی دلی خواہش تھی کہ آپ کا قبلہ بیت اللہ ہو۔ جب بیت اللہ کی طرف چہرہ (کرکے نماز پڑھنے کا حکم نازل ہو گیا تو) سب سے پہلی نماز جو آپ نے بیت اللہ شریف کی طرف چہرہ کرکے ادا فرمائی وہ نماز عصر تھی۔ آپ ﷺ کے ساتھ دیگر لوگوں (یعنی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے بھی نماز پڑھی۔ آپ کے ساتھ نماز پڑھنے والوں میں سے ایک صحابی (نماز پڑھ کر) وہاں سے چلا اور اس کا مسجد (بنی حارثہ) کی طرف سے گزر ہوا تو اس وقت

[1] (بخاری = کتاب الایمان: باب الصّلاۃ من الایمان: ٤٠ + مسلم = کتاب المساجد وَ مَوَاضِع الصَّلوٰۃ : باب تَحوِیل القِبلَۃِ مِنَ القُدس إِلَی الکعبۃ: ٥٢٥

وہاں کے نمازی حالت رکوع میں تھے۔ وہ شخص جس نے آپ ﷺ کے ساتھ نماز عصر ادا فرمائی تھی (سیدنا عباد بن بشر رضی اللہ عنہ تھا) وہ باآواز بلند کہنے لگا: میں اللہ کے نام کے ساتھ گواہی دیتا ہوں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ مکہ کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھی ہے۔ (یہ سن کر) وہ لوگ اسی حالت میں بیت اللہ کی طرف گھوم گئے۔''

دوسرا واقعہ، مسجد قباء میں تحویل قبلہ:

سیدنا عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

« بَيْنَا النَّاسُ بِقُبَاءٍ فِي صَلَاةِ الصُّبْحِ إِذْ جَآءَ هُمْ آتٍ، فَقَالَ : إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ قَدْ أُنْزِلَ عَلَيْهِ اللَّيْلَةَ قُرْآنٌ ، وَ قَدْ أُمِرَ أَنْ يَسْتَقْبِلَ الْكَعْبَةَ فَاسْتَقْبِلُوْهَا، وَ كَانَتْ وُجُوْهُهُمْ إِلَى الشَّامِ، فَاسْتَدَارُوْا إِلَى الْكَعْبَةِ » [1]

''ہوا یوں کہ لوگ مسجد قبا میں صبح کی نماز (نماز فجر) ادا کر رہے تھے کہ ایک صحابی رسول (مدینہ سے) آئے اور کہنے لگے کہ آج رات رسول اللہ ﷺ پر قرآن مجید (سے کچھ حصہ) نازل ہوا ہے۔ جس میں رسول اللہ ﷺ کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ کعبہ کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھا کریں۔ لہٰذا آپ

[1] (بخاری= کتاب التفسیر: باب ﴿ الَّذِيْنَ ءَاتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ أَبْنَاءَ هُمْ﴾ : ٤٤٩١ + مسلم= کتاب المساجد و مواضع الصلٰوۃ: باب تَحْوِيلِ القِبلَةِ مِنَ القُدْسِ إِلَى الكعبة : ٥٣٦)

لوگ بھی کعبہ کی طرف پھر جاؤ۔ اس وقت (وہ لوگ حالت نماز میں تھے)
ان کے چہرے شام کی طرف تھے (یعنی مسجد اقصی کی طرف تھے) چنانچہ
اس ایک صحابی رضی اللہ عنہ کی آواز سن کر سب نمازی کعبہ کی طرف پھر گئے۔"

مذکورہ بالا دونوں واقعات سے معلوم ہوا کہ جب اللہ کی طرف سے بیت المقدس کو قبلہ مقرر کیا تھا تو اس وقت بھی سنت فعلی اور حدیث فعلی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اتباع رسول کا بہترین ثبوت فراہم کیا تھا اور جب بیت المقدس سے بیت اللہ کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھنے کا حکم نازل ہوا تو اس وقت بھی مجسمۂ تسلیم و رضا بن کر انھوں نے اتباع رسول کا حق ادا کیا تھا: وَ نِعْمَ قَالَ مَنْ قَالَ:

سر تسلیم خم ہے جو مزاج یار میں آئے

﴿۷﴾ تحویل قبلہ کے موقعہ پر پروپیگنڈا مہم چلانے والے:

تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا تو منافقین مدینہ اور یہود مدینہ نے مسلمانوں کے خلاف زبردست پروپیگنڈا مہم شروع کر دی اور اس قدر زہریلا پروپیگنڈا کیا کہ آسمان سر پر اٹھا لیا۔ وہ پروپیگنڈا مہم یہ ہی تو تھی کہ کبھی مسلمان شمال کی طرف چہرہ کرتے ہیں اور کبھی جنوب کی طرف ۔ آخر دال میں کچھ تو کالا کالا ہے۔ ان لوگوں کے پروپیگنڈا کے باوجود جو راسخ العقیدہ اور پختہ ایمان اہل اسلام تھے۔ انھوں نے اس پروپیگنڈا کی مطلقاً پروا نہ کی۔ انھوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ اپنے احکام کی حکمت خود ہی بہتر جانتا ہے۔ لہٰذا انھوں نے سر تسلیم خم کر دیا۔ ان راسخ العقیدہ اور پختہ ایمان والوں کو دیکھ کر مخالفین کے پروپیگنڈا سے متاثر ہونے والے چند کمزور ایمان والے مسلمان بھی سنبھل گئے اور پھسلنے

سے بچ گئے۔ یہ پروپیگنڈا مہم چلانے والے اور آسمان سر پر اٹھانے والے درحقیقت یہودی اور عیسائی ہی تھے۔ کیونکہ تحویل قبلہ کا مطلب گویا بیت المقدس کی مرکزیت کو مسلمانوں کے قلوب واذہان سے ختم کر کے بیت اللہ کی مرکزیت کو بحال کرنا تھا۔ اسی لیے بطور خاص یہودی کچھ ضرورت سے زیادہ ہی اس موقع پر سیخ پا ہوئے۔ چنانچہ سیدنا براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

﴿ وَ كَانَتِ الْيَهُوْدُ قَدْ أَعْجَبَهُمْ إِذْ كَانَ يُصَلِّيْ قِبَلَ بَيْتِ الْمُقَدِسِ وَ أَهْلُ الْكِتَابِ فَلَمَّا وَلّٰى وَجْهَهُ قِبَلَ الْبَيْتِ أَنْكَرُوْا ذَالِكَ ﴾ [1]

''جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیت المقدس کی طرف چہرہ کر کے نماز پڑھا کرتے تھے تو یہودی اور دیگر اہل الکتاب (یعنی عیسائی) اس پر مسرت وشادمانی کا اظہار کرتے تھے۔ مگر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت اللہ کی طرف اپنا رخ زیبا پھیر لیا تو یہ عمل انھیں انتہائی ناگوار گزرا۔''

اللہ تبارک وتعالیٰ نے یہود و نصاریٰ اور منافقین مدینہ کی اس پروپیگنڈا مہم کا نہایت خوبصورتی سے دفاع کیا اور بہترین انداز میں جواب دیا:

''اے میرے نبی! ان سے کہہ دو! مشرق بھی اللہ کا ہے اور مغرب بھی اللہ کا ہے۔'' (سورۃ البقرہ ۱۴۲) اللہ تعالیٰ نے ہمیں بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم

[1] (بخاری = كتاب الايمان : باب الصلاة مِنَ الْإيمان : ٤٠ + مسلم= كتاب المساجد و مواضع الصلاة : باب تحويل القبلة من القدس الى الكعبة : ٥٢٥)

دیا تھا تو ہم نے اس طرف رخ پھیر لیا تھا۔ اب اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں بیت اللہ کی طرف رخ پھیرنے کا حکم دیا ہے تو ہم نے اس طرف رخ پھیر لیا ہے۔ اللہ کا حکم مان لینا ہی ہدایت والی راہ کو اپنانا ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے سیدھی راہ پر چلا دیتا ہے۔

﴿۸﴾ ایک ذہنی خلفشار کی تشفی:

بعض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ذہن میں یہ اشکال پیدا ہوا کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھنے کے زمانے میں فوت ہو چکے تھے، یا ہم جتنا عرصہ بھی اس طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے ہیں تو ان فوت شدگان کی نمازیں اور ہماری نمازیں کیا سب ضائع جائیں گیں۔ یا شاید ان کا اجر و ثواب نہیں ملے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اس اشکال کو کافور کرنے کے لیے ارشاد فرمایا:

﴿ وَ مَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ﴾

(البقرة=۲:۱۴۳)

''اللہ تعالیٰ تمھارے ایمان (نماز) کو ضائع نہیں کرے گا۔ اللہ تعالیٰ لوگوں پر شفقت اور مہربانی فرمانے والے ہیں۔''

یعنی تمھاری وہ نمازیں ضائع اور بیکار نہیں گئیں جو تم نے بیت المقدس کی طرف چہرہ کر کے پڑھیں ہیں۔ بلکہ تمھیں ان کا پورا پورا ثواب ملے گا۔

﴿۹﴾ نماز کے لیے لفظ ''ایمان'' اور جہاد کے لیے لفظ ''دین'' کا استعمال:

سورۃ البقرۃ کی مذکورہ بالا آیت نمبر:۱۴۳ میں اللہ تعالیٰ نے ارکان اسلام کے ایک رکن اور جزء پر ''ایمان'' کا لفظ استعمال کیا ہے جو ایک کلی اور مجموعۂ ارکان ہے۔ یہاں

نماز کو لفظ ''ایمان'' سے تعبیر کر کے گویا نماز کی اہمیت و فضیلت کو واضح کر دیا گیا کہ نماز کے بغیر دین اسلام میں ایمان کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی معلوم ہوا کہ کبھی کبھی کسی خاص رکن اور جزء کی خاص اہمیت کے پیش نظر اس پر ''کل'' کا اطلاق بھی ہو سکتا ہے۔ جس کی ایک مثال تو یہی ہے جو اس وقت آیت زیر تفسیر میں ہمارے سامنے ہے کہ نماز جو ارکان اسلام میں سے ایک رکن ہے اس کی خاص اہمیت کی بنا پر اس کو لفظ ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس کی دوسری مثال رسول اللہ ﷺ کی جہاد فی سبیل اللہ کے بارے ایک مشہور حدیث ہے۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

﴿ إِذَا تَبَايَعْتُمْ بِالْعِينَةِ وَ أَخَذْتُمْ أَذْنَابَ الْبَقَرِ وَ رَضِيتُمْ بِالزَّرْعِ وَ تَرَكْتُمُ الْجِهَادَ سَلَّطَ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ ذُلًّا لَا يَنْزِعُهُ حَتّٰى تَرْجِعُوا إِلٰى دِينِكُمْ ﴾ [1]

''جب تم بیع عینہ (کسی چیز کو اس کی اصلی قیمت سے زیادہ قیمت پر ادھار بیچنا) یعنی سودی کاروبار شروع کر دو گے اور بیلوں کی دمیں پکڑ کر کھیتی باڑی پر خوش ہو جاؤ گے اور جہاد چھوڑ دو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر ذلت مسلط کر دے گا اور یہ ذلت اس وقت تک ختم نہ ہوگی جب تک تم اپنے دین (جہاد) کی طرف نہ پلٹ آؤ۔''

مذکورۃ بالا حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے جہاد فی سبیل اللہ کو دین کہا ہے۔

[1] (صحیح ابو داؤد = کتاب البیوع: باب فِي النَّهيِ عَنِ العِينَةِ : ۲۹۵۶ + سلسلة احاديث الصَّحيحة، الحديث: ۱۱)

حالانکہ جہاد فی سبیل اللہ کل دین اور مجموعہ دین نہیں ہے۔ بلکہ اسلام کا ایک جز اور حصہ ہے۔مگر جہاد فی سبیل اللہ کی خاص اہمیت وافضلیت کی بناء پراس کو لفظ''دین'' کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے۔قرآن وسنت میں اس بارے میں اور بھی بہت مثالیں موجود ہیں۔

﴿۱۰﴾ مرتدین کون اور ہدایت یافتہ کون؟

سورۃ البقرۃ کی آیت نمبر:۱۴۳ سے ایک اہم نکتہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تحویل قبلہ کی حکمت بالغہ کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ہم نے بیت المقدس کو قبلہ اس لیے مقرر کیا تھا تاکہ پتا چل سکے کہ سنت رسول اور حدیث رسول کی اتباع واقتدا کون کرتا ہے اور کون ہے کہ جو اپنی ایڑیوں پر پھر جاتا ہے۔''ایڑیوں پر پھر جانے'' کو قرآن وسنت کی محاوراتی زبان میں ''ارتداد عن الاسلام'' کہا اور سمجھا جاتا ہے۔''ارتداد عن الاسلام اور ارتداد عن الدین'' کا مطلب ہے کہ دین اسلام سے مرتد ہو جانا۔ اس سے صاف معلوم ہو رہا ہے کہ جو شخص سنت رسول ﷺ اور حدیث رسول ﷺ کا منکر ہے۔ وہ سورۃ البقرۃ کی اس آیت کی رو سے اسلام سے نکل جاتا ہے اور مرتد ہو جاتا ہے۔جب کہ اس آیت کے آخر میں ارشاد فرمایا: اتباع سنت رسول کا عملی ثبوت فراہم کرتے ہوئے اپنا قبلہ تبدیل کر لینا اگرچہ ایک مشکل کام ہے مگر جنھیں اللہ تعالیٰ نے ہدایت سے نوازا ہے، ان کے لیے قطعاً مشکل نہیں ہے۔

آیت کے اس آخری حصہ سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کے ساتھ ساتھ اتباع سنت رسول ﷺ اور پیروئ حدیث رسول ﷺ کا عملی ثبوت فراہم کرنے والے ہی دراصل ہدایت پانے والے، صراط مستقیم پر چلنے والے، سیدھی لائن اختیار کرنے والے ہدایت

یافتہ اور پختہ مسلمان ہیں۔ ان متبعین حدیث رسول کے لیے حدیث وسنت کی پیروی کوئی مشکل امر نہیں ہے بلکہ اتباع سنت رسول تو ان کے لیے سرمایۂ صد افتخار ہے۔ البتہ بے دینی کی راہ اختیار کرنے والوں، ٹیڑھی راہ پر چلنے والوں، لادینیت کے مارے لوگوں، دنیا اور دنیا کی ٹھاٹ باٹ پر مرنے والوں، بظاہر روشن خیال اور کلین شیو قسم کے لوگوں کو اپنا امام و رہبر ماننے والوں، سنت رسول پر عمل کرنے والوں کا مذاق و تمسخر اڑانے والوں اور اسلام کی مشروع عبادات سے جان چھڑانے والوں کو واقعتاً سنت رسول اور حدیث رسول ﷺ کی پیروی بہت ہی مشکل، ناگوار اور گراں معلوم ہوتی ہے۔

﴿11﴾ بیت المقدس کو قبلہ مقرر کرنے کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کیونکر:

علم اصول حدیث کی رو سے سنت اور حدیث ایک دوسرے کے ہم معنیٰ ہیں اور حدیث وسنت کی تین قسمیں ہیں:

① قولی
② فعلی
③ تقریری

1. جو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا وہ ''حدیث قولی'' کہلاتی ہے۔
2. جو آپ ﷺ نے عمل کیا وہ ''حدیث فعلی'' کہلاتی ہے۔
3. اور جو کام آپ کے سامنے ہوا یا جو بات آپ کے سامنے بیان ہوئی اور آپ ﷺ نے اس پر سکوت فرمایا وہ ''حدیث تقریری یا سنت تقریری'' کہلاتی ہے۔

بیت المقدس کی طرف چہرہ کر کے جتنی بھی نمازیں ادا کی گئی وہ سب حدیث فعلی

کے تحت تھیں۔ اس کو سنت فعلی بھی کہا جا سکتا ہے۔

مزید برآں اللہ رب العزت نے اپنے پیارے رسول کے اس عمل (حدیث فعلی یا سنت عملی) کو اپنی طرف منسوب کیا ہے۔ اللہ فرماتے ہیں:

﴿ وَ مَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِیْ كُنْتَ عَلَیْهَا ﴾

''ہم نے وہ قبلہ جس پر تو تھا مقرر نہیں کیا تھا مگر اس لیے۔''

اسی آیت میں اللہ تعالیٰ یہ بھی ارشاد فرماتے ہیں:

﴿لِنَعْلَمَ مَنْ یَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ یَّنْقَلِبُ عَلٰی عَقِبَیْهِ ﴾

'' تا کہ ہم جان لیں کہ کون رسول اللہ ﷺ کی پیروی اختیا کرتا ہے اور کون اپنی ایڑیوں کے بل پلٹ جاتا ہے۔''

حاصل گفتگو:

آیت کے مذکورہ بالا دونوں جملوں میں اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو قبلہ بنانے کی نسبت اپنی طرف فرمائی ہے۔ بیت المقدس کو قبلہ قرار دینے کا حکم قرآن مجید میں کہیں بھی موجود نہیں ہے اور اللہ رب العزت اس کی نسبت بھی اپنی طرف فرما رہے ہیں تو اس سے بڑی وضاحت سے معلوم ہو جاتا ہے کہ وہ حکم اللہ تعالیٰ نے ''وحی خفی'' کے ذریعے دیا تھا۔ وحی خفی کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نبی کے دل میں شریعت کا کوئی حکم ڈال دیتے ہیں۔

الحمد اللہ ہمارا تو عقیدہ ہے کہ قرآن اور حدیث دونوں سے دین اسلام اور شریعت اسلامیہ کی تکمیل ہوتی ہے۔ لیکن جو لوگ صرف اور صرف قرآن ہی کو دین کی رہنمائی،

دین کو سمجھنے اور دین پر عمل کرنے کے لیے کافی قرار دیتے ہیں ہمارا ان سے یہ تیسرا سوال ہے کہ بتایئے! قرآن مجید کے کون سے پارے میں وہ آیت ہے جس میں بیت المقدس کو بطور قبلہ اختیار کرنے کا حکم نازل ہوا اور اس کے بعد رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اس کی طرف رخ پھیر کر نمازیں ادا کرنا شروع کیں تھیں؟

سورۃ البقرۃ کی مذکورہ آیت حقیقت میں منکرین حدیث وسنت کے لیے بہت بڑا سوالیہ نشان ہے۔ ہمیں پورا یقین ہے کہ کوئی منکر حدیث قرآن سے وہ آیت پیش نہیں کر سکتا کیونکہ قرآن مجید میں ایسی کوئی آیت ہی نہیں ہے۔

ضمناً ایک سوال یہ بھی پیدا ہوتا ہے کہ تمھارے بقول اگر صرف قرآن ہی ''وحی الٰہی'' اور پیغام الٰہی ہے۔ اس کے علاوہ اور کوئی چیز بھی وحی الٰہی نہیں تو کیا رسول اللہ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جتنا عرصہ بھی نمازیں پڑھیں تو وہ بغیر حکم الٰہی کے پڑھتے رہے؟ اگر بغیر حکم الٰہی کے وہ نمازیں پڑھتے رہے تو ان نمازوں کا کیا بنے گا؟ کیا وہ بارگاہ الٰہی میں مقبول ٹھہریں گی یا (العیاذ باللہ) مردود۔ اگر مقبول ٹھہریں گی تو کیونکر اور اگر مردود ٹھہریں گی تو کیونکر؟

نیز یہ سوال بھی ذہن میں انگڑائی لیتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کوئی ایک بھی ایسا شخص نہیں تھا جس نے سولہ ماہ یا سترہ ماہ کے دوران رسول اللہ ﷺ سے یہ سوال ہی کیا ہو کہ اے اللہ کے رسول! آپ ہمیں بیت المقدس کی طرف چہرے کروا کر نمازیں تو پڑھا رہے ہیں مگر قرآن مجید میں تو کوئی حکم بیت المقدس کو قبلہ بنانے کا نازل نہیں ہوا۔

الغرض اس آیت کے ضمن میں اس جیسے کئی سوالات لوح دماغ پر نمودار ہوتے

ہیں۔ جن کا جواب کسی بھی منکر حدیث کے بس کی بات نہیں ۔ لہٰذا ہم گروہِ منکرین حدیث سے دردمندانہ عرض کریں گے کہ وہ اپنے اس باطل نظریہ ''انکار حدیث'' سے توبہ کر کے دونوں قسم کی وحی'' قرآن و حدیث'' کے قائل و فاعل بن جائیں۔

مانو نہ مانو جانِ جاں اختیار ہے
ہم نیک و بد حضور کو سمجھائے دیتے ہیں

چوتھا سوال

اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر کیا ظاہر کیا تھا؟

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿ يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۗ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝ قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ۚ وَاللّٰهُ مَوْلٰكُمْ ۚ وَهُوَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝ وَاِذْ اَسَرَّ النَّبِيُّ اِلٰى بَعْضِ اَزْوَاجِهٖ حَدِيْثًا ۚ فَلَمَّا نَبَّاَتْ بِهٖ وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْ بَعْضٍ ۚ فَلَمَّا نَبَّاَهَا بِهٖ قَالَتْ مَنْ اَنْبَاَكَ هٰذَا ۗ قَالَ نَبَّاَنِيَ الْعَلِيْمُ الْخَبِيْرُ ۝ اِنْ تَتُوْبَآ اِلَى اللّٰهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوْبُكُمَا ۚ وَاِنْ تَظٰهَرَا عَلَيْهِ فَاِنَّ اللّٰهَ هُوَ مَوْلٰىهُ وَجِبْرِيْلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِيْنَ ۚ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَعْدَ ذٰلِكَ ظَهِيْرٌ ۝ ﴾

(التحریم=٦٦ : ١ ـ ٤)

’’اے نبی ﷺ! جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے اسے آپ کیوں حرام کرتے ہیں؟ (کیا) آپ اپنی بیویوں کی خوشنودی حاصل کرنا چاہتے ہیں؟ اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور رحم کرنے والا ہے O بلا شبہ اللہ

تعالیٰ نے تمھارے لیے قسموں کا کفارہ بیان کر دیا ہے۔ اور اللہ تعالیٰ تمھارا کارساز ہے اور وہی (پورے) علم والا اور حکمت والا ہےO اور جب نبی ﷺ نے اپنی بعض بیویوں سے ایک راز والی بات کہی تھی۔ پس جب اس (بیوی) نے اس (راز والی بات) کو آگے بیان کر دیا تو اللہ تعالیٰ نے اس پر اپنے نبی ﷺ کو آگاہ کر دیا۔ (کہ آپ کے راز کو آپ کی بیوی نے افشاء کر دیا ہے تو نبی ﷺ نے جب اپنی اس بیوی سے جس سے راز والی بات کہی تھی جب دریافت کیا تو دریافت کرتے وقت بھی) تھوڑی سی بات تو بتا دی اور تھوڑی سی ٹال گئے۔ پھر جب نبی ﷺ نے اپنی بیوی کو وہ بات بتائی تو وہ کہنے لگی اس کی خبر آپ کو کس نے دی ہے۔ (نبی ﷺ نے) کہا! مجھے سب کچھ جاننے والے اور پوری خبر رکھنے والے اللہ تعالیٰ نے یہ بات بتائی ہےO (اے نبی ﷺ کی دونوں بیویو!) اگر تم دونوں اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کر لو (تو یہی تمھارے حق میں بہتر ہے) یقیناً تمھارے دل (حق سے) ہٹ گئے ہیں اور اگر تم نبی ﷺ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی تو یقیناً اس (نبی ﷺ کا) کارساز اللہ تعالیٰ ہے، جبریل علیہ السلام ہیں، نیک اہل ایمان ہیں اور ان کے علاوہ فرشتے بھی (اس کی) مدد کرنے والے ہیںO"

مذکورۂ بالا آیت میں اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ اور آپ کی ازواج مطہرات کے متعلق ایک نجی اور خانگی معاملہ کو زیر بحث لاتے ہوئے چند اہم مسائل پر روشنی ڈالی

ہے۔ ان چند اہم مسائل میں سے کچھ ایسے مسائل بھی واضح ہوتے ہیں جن کا تعلق حجیت حدیث سے ہے۔ حجیت حدیث کے حوالے سے ہمارا موقف، نظریہ اور عقیدہ ہے کہ حدیث اور سنتِ رسول ﷺ قرآن مجید کی تشریح و توضیح ہے۔ جو کہ قرآن مجید کے مفاہیم و مطالب کو واضح کرتی ہے۔ بغیر حدیث و سنت کے قرآن مجید کو سمجھنا اور اس پر عمل کرنا ممکن ہی نہیں ہے۔ اسی طرح ہمارا موقف، نظریہ اور عقیدہ یہ بھی ہے کہ جس طرح قرآن مجید اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتا تھا اسی طرح حدیث رسول ﷺ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوتی تھی۔ فرق صرف یہ ہے کہ قرآن وحی جلی ہے اور حدیث وحی خفی ہے۔

اس آیت پر طائرانہ نگاہ ڈالنے سے ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ واقعتاً حدیث رسول ﷺ قرآن مجید کی تفسیر و تشریح ہے۔ بہت سارے ایسے معاملات ہیں جو صرف حدیث رسول ﷺ سے ہی کلیئر (Clear) ہوتے ہیں۔ مثلاً اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا:

1. ''اے نبی ﷺ! جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے اسے آپ کیوں حرام کرتے ہیں؟'' وہ کونسی چیز ہے جس کو نبی ﷺ نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا؟ قرآن مجید اس بارے خاموش ہے جب کہ حدیث میں اس کا تذکرہ ہے۔
2. ''اور جب نبی ﷺ نے اپنی بعض بیویوں سے راز کی ایک بات کہی تھی'' وہ کونسی راز کی بات تھی؟ اور کس بیوی سے کہی تھی؟ قرآن مجید اس بارے خاموش ہے جب کہ حدیث رسول ﷺ میں الحمدللہ ان دونوں باتوں کی وضاحت موجود ہے۔
3. ''پس جب اس بیوی نے اس راز کی بات کو آگے بیان کر دیا۔'' جس زوجۂ محترمہ

کے پاس رسول اللہ ﷺ نے راز والی بات کہی تھی اس نے آگے کس بیوی کو بات بیان کی تھی؟ قرآن مجید اس سوال کا جواب بھی پیش نہیں کر رہا۔

4. ''اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو اس پر آگاہ کر دیا'' اللہ تعالیٰ نے جب اپنے نبی کو اس پر آگاہ کر دیا کہ آپ کا رکھا ہوا راز افشاء ہو چکا ہے۔ آپ نے جس بیوی کو کہا تھا کہ میری یہ بات آگے کسی کو بیان نہ کرنا۔ اس نے آگے بات بیان کر دی۔ اس آگاہی پر مشتمل کوئی آیت قرآن مجید میں موجود نہیں ہے۔ جس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن مجید کی وحی کے علاوہ بھی اللہ تعالیٰ اپنے نبی سے باتیں کرتا اور بتاتا تھا۔

5. ''(اے نبی ﷺ کی دونوں بیویو!) اگر تم اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کر لو (تو بہت بہتر ہے) یقیناً تمھارے دل (حق سے) ہٹ گئے ہیں اگر تم نبی ﷺ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی تو اللہ تعالیٰ اس کا کارساز ہے۔'' یہ دونوں بیویاں کون تھیں جن کو توبہ کرنے کا حکم الٰہی مل رہا تھا اور جنھوں نے رسول اللہ ﷺ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرنا چاہی تھی؟ قرآن مجید اس بارے بھی خاموش ہے۔

الغرض ایسے بے شمار سوالات ہیں جو ایک عام قاریٔ قرآن کو مطالعۂ قرآن کے وقت درپیش آتے ہیں مگر ان کے جوابات صرف اور صرف حدیث رسول ﷺ سے ہی مل سکتے ہیں۔

کونسی چیز رسول اکرم ﷺ نے اپنے اوپر حرام کی تھی؟

اس بارے احادیث رسول میں دو چیزوں کا تذکرہ ملتا ہے:

چار سوال

① تحریم عسل: شہد حرام کرنے کا واقعہ

② تحریم ماریہ: سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو حرام کرنے کا واقعہ

پہلا شان نزول: تحریم عسل کا واقعہ:

شہد حرام کرنے کے بارے میں بھی دو قسم کی روایات کتب احادیث میں مروی ہیں اور دونوں قسم کی روایات ہی بالکل صحیح ہیں۔

پہلی قسم کی روایات:

صحیح بخاری، صحیح مسلم، سنن ابو داؤد، سنن النسائی اور دوسری متعدد کتب احادیث میں یہ واقعہ مروی ہے جس کو سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یوں بیان کرتی ہیں:

«كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَشْرَبُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ ابْنَةِ جَحْشٍ وَ يَمْكُثُ عِنْدَهَا فَوَاطَأْتُ أَنَا وَ حَفْصَةُ عَنْ : أَيَّتُنَا دَخَلَ عَلَيْهَا فَلْتَقُلْ لَهُ :أَكَلْتَ مَغَافِيْرَ؟ إِنِّيْ أَجِدُ مِنْكَ رِيْحَ مَغَافِيْرَ۔ قَالَ : "لَا" وَ لٰكِنِّيْ كُنْتُ أَشْرَبُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ ابْنَةِ جَحْشٍ فَلَنْ اَعُوْدَ لَهُ وَ قَدْ حَلَفْتُ۔ لَا تُخْبِرِيْ بِذَالِكَ اَحَدًا» ❶

"رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے گھر سے شہد نوش فرماتے اور کافی دیر وہیں ٹھہرے رہتے۔ (جس کی وجہ سے مجھے اس پر رشک ہوا کہ

❶ (بخاری = كتاب التّفسير: باب ﴿يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ ٤٩١٢)

آپ ﷺ وہاں اتنی زیادہ دیر کیوں ٹھہرتے ہیں؟)۔ لہٰذا میں نے اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے مل کر اس بارے متفقہ پروگرام تشکیل دیا۔ وہ پروگرام یہ تھا (سیدہ زینب کے پاس سے شہد پی کر) ہم میں سے جس کے پاس بھی رسول اللہ ﷺ تشریف لائیں تو ہم میں سے ہر ایک یہی بات کہے: (یا رسول اللہ!) کیا آپ نے مغافیر کھائی ہے؟ کیوں کہ آپ کے مونہہ مبارک سے مغافیر کی بو آرہی ہے (مغافیر ایک خاص بوٹی ہوتی ہے۔ جس میں سے ایک ایسا گوند نکلتا ہے جس میں سے کچھ بو (Smell) سی آتی ہے۔ چنانچہ جب رسول اکرم ﷺ ہم میں سے کسی کے پاس تشریف لائے تو منصوبے کے تحت وہی کہا گیا جو طے پایا تھا۔ آپ ﷺ چونکہ بدبو کو بہت ناپسند کرتے تھے) رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے مغافیر نہیں کھائی۔ البتہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس سے شہد پیا تھا۔ لیکن اب اسے بھی ہرگز نہیں پیوں گا۔ میں یہ بات قسم اٹھا کر کہتا ہوں۔ لیکن تم اس کا آگے کسی سے تذکرہ نہ کرنا (کہ میں نے شہد نہ پینے کی قسم کھالی ہے)

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد پینے کے واقعہ کو امام بخاری رحمہ اللہ نے ایک اور سند سے کتاب الطلاق میں سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی زبانی یوں بھی بیان فرمایا ہے:

« أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْكُثُ عِنْدَ زَيْنَبَ ابْنَةِ جَحْشٍ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهَا وَ يَشْرَبُ عِنْدَهَا عَسَلًا، فَتَوَاصَيْتُ أَنَا وَ حَفْصَةُ: أَنَّ أَيَّتَنَا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ

فَلْتَقُلْ : إِنِّی لَأَجِدُ مِنْكَ رِيحَ مَغَافِيرَ، أَكَلْتَ مَغَافِيرَ ؟ فَدَخَلَ عَلٰى إِحْدَاهُمَا فَقَالَتْ لَهٗ ذَالِكَ فَقَالَ : " لَا بَأْسَ! شَرِبْتُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَ لَنْ اَعُوْدَ لَهٗ فَنَزَلَتْ : ﴿يَأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ ...... ﴿إِنْ تَتُوْبَا إِلَى اللّٰهِ ﴾ لِعَائِشَةَ وَ حَفْصَةَ ﴿ وَ إِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلٰى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيْثًا﴾ لِقَوْلِه « بَلْ شَرِبْتُ عَسَلًا » [1]

" نبی اکرم ﷺ ام المومنین سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں ٹھہرتے تھے اور ان کے ہاں سے شہد نوش فرماتے تھے۔ چنانچہ میں نے اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے مل کر پروگرام بنایا کہ رسول اللہ ﷺ ہم میں سے جس کے پاس بھی تشریف لائیں تو آپ ﷺ سے کہا جائے کہ آپ کے مونہہ مبارک سے مغافیر کی بو آرہی ہے۔ کیا آپ نے مغافیر کھائی ہے؟ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ ہم میں سے ایک کے پاس تشریف لائے تو ہم میں سے جس کے پاس تشریف لائے تھے اس نے یہی کہا۔ جواباً رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے مغافیر تو نہیں کھائی، ہاں البتہ میں نے زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس سے شہد پیا ہے۔ (اب یہ عزم کرتا ہوں اور اس عزم پر قسم بھی اٹھاتا ہوں کہ) آئندہ شہد بھی نہیں پیوں گا۔ اس وقت سورۃ التحریم کی یہ آیات نازل ہوئیں

---

[1] (بخاری= کتاب الطَّلاق: باب ﴿لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ .. ﴾ : ٥٢٦٧ + مسلم = کتاب الطَّلاق: باب وُجُوبِ الكَفَّارَةِ عَلٰى مَنْ حَرَّمَ امْرَاتَه وَ لَمْ يَنْوِ الطَّلَاق : ١٤٧٤)

جن کا ترجمہ یوں ہے: ''اے نبی ﷺ! جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کر دیا ہے۔ اسے آپ کیوں حرام کرتے ہیں؟.. اے نبی ﷺ کی بیویو! اگر تم دونوں اللہ تعالیٰ کے سامنے توبہ کر لو (تو بہت بہتر ہے) ان دونوں بیویوں سے مراد ایک عائشہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اور دوسری سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا ہیں۔ اس کے بعد سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا یہ بھی وضاحت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جو یہ فرمایا ہے کہ ''اور جب نبی ﷺ اپنی بعض عورتوں سے ایک پوشیدہ بات بطور راز کے ارشاد فرما رہے تھے'' اس پوشیدہ راز سے آپ کی یہی بات مراد ہے کہ میں نے شہد پیا ہے (اب آئندہ نہیں پیوں گا، تو یہ بات کسی کو نہ بتانا)

مذکورہ دونوں احادیث سے معلوم ہوا کہ جس زوجۂ محترمہ کے پاس جا کر رسول اللہ ﷺ شہد نوش فرماتے تھے ان کا اسم گرامی سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا ہے۔

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کا مختصر تعارف:

سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کی والدہ کا نام امیمہ تھا اور وہ آپ ﷺ کے دادا عبد المطلب کی بیٹی تھی۔ اس لحاظ سے امیمہ بنت عبد المطلب رسول اکرم ﷺ کی پھوپھو تھیں اور سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا رسول اکرم ﷺ کی پھوپھو زاد بہن (First Cousin) تھیں۔

پہلے سیدہ زینب کا نکاح سیدنا زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ سے ہوا تھا جو رسول اکرم ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے۔ پھر سیدنا زید رضی اللہ عنہ نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو طلاق دے دی تھی۔ اس کے بعد سن آٹھ ہجری کو رسول اللہ ﷺ کی زوجیت میں داخل ہوئیں اور ام

المومنین کا شرف پایا۔ سیدہ زینب رسول اللہ ﷺ کے انتقال پر ملال کے بعد سب سے پہلے دنیا سے رخصت ہونے والی آپ کی زوجۂ محترمہ ہیں۔ ازدواجی رقابت ایک فطری اور بشری معاملہ تھا کہ رسول اللہ ﷺ کا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے پاس زیادہ دیر ٹھہرنا سیدنا عائشہ رضی اللہ عنہا کو اچھا نہ لگا۔ ورنہ حقیقت یہ ہے کہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے بارے فرمایا کرتی تھیں:

"سیدہ زینب رضی اللہ عنہا سب سے زیادہ دیندار، سب سے بڑھ کر تقویٰ شعار اور سب سے زیادہ سچ بولنے والی ہیں۔"

سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کو ایک یہ بھی عظیم شرف حاصل ہے کہ ان کا نکاح زمین پر نہیں پڑھا گیا تھا۔ بلکہ اللہ رب العزت نے آسمانوں پر خود نکاح کیا تھا۔ سیدہ زینب نے مدینۃ الرسول میں ۵۳ سال کی عمر میں وفات پائی۔

دوسری قسم کی روایات:

عجیب اتفاق ہے کہ دوسری قسم کی روایات کو بیان کرنے والی بھی ام المومنین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا ہی ہیں۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

« كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يُحِبُّ الْعَسَلَ وَ الْحَلْوٰى۔ وَ كَانَ إِذَا انْصَرَفَ مِنَ الْعَصْرِ دَخَلَ عَلٰى نِسَآئِهٖ فَيَدْنُوْ مِنْ إِحْدٰهُنَّ ۔ فَدَخَلَ عَلٰى حَفْصَةَ بِنْتِ عُمَرَ فَاحْتَبَسَ (عِنْدَهَا) أَكْثَرَ مَا كَانَ يَحْتَبِسُ۔ فَغِرْتُ فَسَأَلْتُ عَنْ ذَالِكَ۔

فَقِيلَ لِيْ: أهدَتْ لَهَا اِمْرَأَةٌ مِنْ قَوْمِهَا عُكَّةَ عَسَلٍ فَسَقَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مِنْهُ شَرْبَةً۔ فَقُلْتُ : أَمَا وَاللّٰهِ لَنحتَالَنَّ لَهٗ :

فَقُلْتُ لِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ: إِنَّهٗ سَيَدْنُوْ مِنْكِ فَقُوْلِىْ: أَكَلْتَ مَغَافِيْرَ ؟ فَإِنَّهٗ سَيَقُوْلُ لَكِ: لَا ۔ فَقُوْلِىْ لَهٗ : مَا هٰذِهِ الرِّيْحُ الَّتِىْ أَجِدُ مِنْكَ ؟ (وَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ يَشْتَدُّ عَلَيْهِ اَنْ يُوْجَدَ مِنه الرِّيْحُ) فَإِنَّهٗ سَيَقُوْلُ لَكِ : سَقَتْنِىْ حَفْصَةُ شَرْبَةَ عَسَلٍ ۔ فَقُوْلِىْ لَهٗ: جَرَسَت نَحْلُهُ الْعُرْفُطَ۔ وَ سَأَقُوْلُ ذَالِكَ ۔ وَ قُوْلِىْ أَنْتِ يَا صَفِيَّةُ ذَاكِ۔

قَالَتْ : تَقُوْلُ سَوْدَةُ : فَوَاللّٰهِ ! مَا هُوَ إِلَّا أَنْ قَامَ عَلَى الْبَابِ فَأَرَدْتُّ أَنْ أُبَادِئَهُ بِمَا أَمَرْتِنِىْ بِه فَرَقًا مِنْكِ ۔ فَلَمَّا دَنَا مِنْهَا قَالَتْ لَهٗ سَوْدَةُ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! أَكَلْتَ مَغَافِيْرَ ؟ قَالَ : « لَا » قَالَتْ : فَمَا هَذِهِ الرِّيْحُ الَّتِىْ أَجِدُ مِنْكَ؟ قَالَ: « سَقَتْنِى حَفْصَةُ شَرْبَةَ عَسَلٍ » فَقَالَتْ : جَرَسَتْ نَحْلُهُ الْعُرفُطَ ۔ فَلَمَّا دَارَ إِلَيَّ قُلْتُ لَهٗ نَحوَ ذَالِكَ ۔ فَلَمَّا دَارَ إِلٰى صَفِيَّةَ قَالَتْ لَهٗ مِثْلَ ذَالِكَ۔ فَلَمَّا دَارَ إِلٰى حَفْصَةَ ۔قَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! أَلَا أَسْقِيْكَ مِنْهُ؟ قَالَ : " لَا حَاجَةَ لِيْ فِيْهِ " قَالَتْ :تَقُوْلُ سَوْدَةُ : وَاللّٰهِ! لَقَدْ

حَرَمْنَاهُ۔ قُلْتُ لَهَا : اُسْكُتِي » [1]

’’رسول اللہ ﷺ شہد اور میٹھی چیزیں پسند کرتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نماز عصر سے فارغ ہو کر جب واپس آتے تو اپنی ازواج مطہرات کے ہاں (باری باری) تشریف لے جاتے۔ اور بعض سے قربت بھی اختیار کرتے۔ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ سیدہ حفصہ بنت عمر رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے اور معمول سے زیادہ دیر ان کے گھر ٹھہرے رہے۔ مجھے اس پر غیرت آئی (کہ آپ ﷺ اس کے گھر زیادہ دیر کیوں ٹھہرے ہیں؟) میں نے اس بارے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا تو مجھے معلوم ہوا: سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو ان کے خاندان کی کسی خاتون نے شہد کا ایک ڈبہ دیا ہے اور انھوں نے اس ڈبے کے شہد کا شربت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا ہے۔ میں نے اپنے دل ہی دل میں کہا: اللہ کی قسم! (آپ کو وہاں زیادہ دیر ٹھہرنے سے روکنے کے لیے) میں ایک بہترین حیلہ سازی کروں گی۔

(سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں) پھر میں نے سیدہ سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے کہا: رسول اللہ ﷺ آپ کے پاس آئیں گے۔ جب وہ آپ کے پاس تشریف لائیں تو کہنا: لگتا ہے آپ نے آج مغافیر کھائی ہے۔ ظاہر بات ہے کہ آپ ﷺ اس کے جواب میں لازماً تردید فرمائیں گے۔ تو پھر آپ کہیں گی

---

[1] (بخاری= كتاب الطّلاق: باب ﴿لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾ : ٥٢٦٨) + مسلم = كتاب الطّلاق: باب وُجُوبِ الكفّارة على مَن حَرَّمَ امْرَأَتَهٗ وَ لَمْ يَنْوِ الطّلاق : ١٤٧٤)

کہ اگر آپ نے مغافیر نہیں کھائی تو آپ کے مونہہ مبارک سے بو کیوں آ رہی ہے؟ (رسول اللہ ﷺ کو ہر بدبودار چیز سے ویسے بھی سخت نفرت تھی) تو اس کے جواب میں رسول اللہ ﷺ لازماً فرمائیں گے کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے مجھے شہد پلایا ہے۔ تو پھر آپ یہ کہیں گی: ممکن ہے کہ اس شہد کی مکھی نے (جس کا چوسا ہوا شہد آپ نے نوش فرمایا ہے) مغافیر کے درخت کا رس چوسا ہو؟ میں بھی رسول اکرم ﷺ سے یہی کہوں گی اور اے صفیہ! تم بھی یہی کہنا۔

(سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں) سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کہا کرتی کہ اللہ کی قسم! رسول اللہ ﷺ جونہی دروازے پر آ کر ٹھہرے تو (صرف اور صرف) تمھارے خوف سے میں نے ارادہ کیا کہ رسول اللہ ﷺ سے وہ بات کہہ ڈالوں جو تم نے مجھ سے کہی تھی۔ چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ سودہ کے قریب تشریف لے گئے تو انھوں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے مغافیر کھائی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ نہیں۔ سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے کہا: پھر یہ بو کیسی ہے جو آپ کے مونہہ مبارک سے محسوس کر رہی ہوں؟ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا: حفصہ نے مجھے شہد کا شربت پلایا ہے۔ اس پر سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا بولیں: ممکن ہے کہ شہد کی مکھی نے مغافیر کے درخت کا عرق چوسا ہو۔ (سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا کے بعد) جب وہ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے بھی یہی بات کہی۔ اس کے بعد جب وہ سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو

انھوں نے بھی (پروگرام کے مطابق) اسی بات کو دہرایا۔

اس کے بعد رسول اکرم ﷺ جب سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس تشریف لے گئے تو انھوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ شہد نوش فرمائیں گے؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مجھے اس کی اب ضرورت نہیں ہے۔'' (سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:) ہماری اس کامیاب منصوبہ بندی پر تبصرہ کرتے ہوئے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اللہ کی قسم! ہم اپنا مقصد حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئیں اور ہم نے رسول اکرم ﷺ کو سیدہ حفصہ کے پاس زیادہ دیر ٹھہرنے سے روک دیا۔ میں نے سیدہ سودہ رضی اللہ عنہا سے کہا: ''ابھی چپ رہو۔''

اس حدیث کو امام بخاری رحمہ اللہ نے کتاب النکاح اور کتاب الحِیَل میں بھی درج فرمایا ہے۔ ان دوسری قسم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس بیوی کے گھر شہد پینے کا واقعہ رونما ہوا تھا وہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ جب کہ پہلی قسم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ شہد پینے کا واقعہ سیدہ زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ہاں پیش آیا تھا۔ آپ ﷺ کو وہاں شہد پینے سے رکوانے کے لیے متفقہ پروگرام بنانے والی یہی دونوں بیویاں سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما ہیں۔ اس تعارض اور تضاد کو دور کرنے کے لیے شارح صحیح بخاری حافظ ابن حجر رحمہ اللہ ''فتح الباری'' میں ارشاد فرماتے ہیں:

''یُمْکِنُ تَعَدُّدُ الْقِصَّةِ الَّتِیْ وَقَعَ فِیْهَا شُرْبُ الْعَسَلِ وَ تَحْرِیْمُهٗ وَ اِخْتِصَاصَ النُّزُوْلِ بِالْقِصَّةِ الَّتِیْ فِیْهَا أَنَّ عَائِشَةَ وَ حَفْصَةَ هُمَا مُتَظَاهِرَتَانِ وَ یُمْکِنُ أَنْ تَکُوْنَ الْقِصَّةُ الَّتِیْ وَقَعَ فِیْهَا

شُرْبَ الْعَسَلِ عِنْدَ حَفْصَةَ سَابِقَةٌ وَ يُؤَيِّدُ هٰذَا الْحَمْلَ أَنَّهُ لَمْ يَقَعْ فِي طَرِيْقِ هِشَامِ بْنِ عُرْوَةَ الَّتِيْ فِيْهَا أَنَّ شَرْبَ الْعَسَلِ كَانَ عِنْدَ حَفْصَةَ تَعَرُّضٌ لِلْآيَةِ وَلَا لِذِكْرِ سَبَبِ النُّزُوْلِ۔"

"ممکن ہے کہ شہد پینے اور اس کو اپنے اوپر حرام کرنے کا واقعہ ایک سے زیادہ دفعہ رونما ہوا ہو۔ لیکن سورۃ التحریم کی ابتدائی چار آیات کا جو شانِ نزول ہے وہ صرف اس واقعہ کے ساتھ خاص ہے جس میں یہ تذکرہ ہے کہ متفقہ پروگرام بنانے والی اور حیلہ سازی کرنے والی سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ جس واقعہ میں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر شہد پینے کا تذکرہ ہے وہ واقعہ سورۃ التحریم کے نزول سے بہت پہلے ہو چکا ہو۔ ہمارے پیش کردہ اس احتمال کو یہ بات تقویت پہنچاتی ہے کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر شہد پینے کا واقعہ جس کو مشہور راویٔ حدیث ہشام بن عروہ بیان کرتے ہیں اس واقعہ کے آخر میں نہ آیت کے نازل ہونے کا بیان ہے اور نہ کسی قسم کے شانِ نزول کا تذکرہ ہے۔"

اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تھوڑا سا آگے جا کر مزید فرماتے ہیں:

"وَ مَا الْمَانِعُ أَنْ تَكُوْنَ قِصَّةُ حَفْصَةَ سَابِقَةً فَلَمَّا قِيْلَ لَهُ مَا قِيْلَ تَرَكَ الشُّرْبَ مِن غَيْرِ تَصْرِيْحٍ بِتَحْرِيْمٍ وَ لَمْ يَنْزِلْ فِيْ ذَالِكَ شَيْءٌ۔ ثُمَّ لَمَّا شَرِبَ فِيْ بَيْتِ زَيْنَبَ تَظَاهَرَتْ عَائِشَةُ وَ حَفْصَةُ عَلٰى

ذَالِكَ الْقَوْلِ فَحَرَّمَ حِيْنَئِذٍ الْعَسَلَ فَنَزَلَتِ الْاٰيَةُ" ❶

"سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد پینے والے واقعہ کو اگر پہلے کا واقعہ تسلیم کر لیا جائے تو آخر کونسی چیز اس تسلیم کرنے میں رکاوٹ بنتی ہے؟ اس لیے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر شہد نوش فرمایا تو اس وقت جو کہا گیا سو کہا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر صرف اتنا فرمایا کہ میں آئندہ شہد نہیں پیا کروں گا۔ مگر باقاعدہ قسم کھا کر اس کو خود پر حرام کر لیا ہو یہ معاملہ اس وقت نہیں ہوا تھا۔ مگر بعد ازاں جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ زینب رضی اللہ عنہا کے ہاں شہد پیا تو اس وقت سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے متفقہ پروگرام بناتے ہوئے وہ حیلہ سازی اختیار کی جو حدیث میں بیان ہو چکی ہے۔ اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ان دونوں بیویوں کو خوش کرنے کے لیے شہد کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا تھا۔ تو اس دوسرے واقعہ کے موقع پر ہی سورۃ التحریم کی ابتدائی آیات نازل ہوئی۔ (حافظ ابن حجر رحمہ اللہ کے اقتباس کا ترجمہ مکمل ہوا)

(بندۂ ناچیز نے ان دونوں واقعات کی تطبیق اور رفع تعارض میں اس قدر طوالت سے اس لیے کام لیا ہے کہ بہت سارے نامی گرامی مفسرین نے سورۃ التحریم کی ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے دونوں واقعات کو بڑے بے تکے انداز میں گڈمڈ کر دیا ہوا ہے۔ جس سے حقیقتِ حال پر گہرا پردہ پڑا ہوا ہے۔)

دوسرا شانِ نزول: تحریم ماریہ کا واقعہ:

سورۃ التحریم کی ابتدائی چار آیات کے شانِ نزول میں سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کا واقعہ

❶ (فتح الباری= كِتَابُ الطَّلَاق: باب ﴿لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ﴾، شرح الحديث: ٥٢٦٧ و ٥٢٦٨)

بھی بیان کیا جاتا ہے اور وہ واقعہ بھی سنداً صحیح ہے۔ سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے حوالے سے متعدد احادیث و روایات میں جو قصہ وارد ہوا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ ایک روز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے مکان میں تشریف لے گئے اور وہ گھر پر موجود نہ تھیں۔ اس وقت سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا آپ کے پاس وہاں آ گئیں اور خلوت میں کچھ دیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہیں۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو یہ بات ناگوار گزری اور انھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے اپنے تحفظات اور اپنی شکایت بیان کر دی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو راضی کرنے کے لیے ان سے یہ عہد کر لیا کہ آئندہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا سے کوئی تعلق نہیں رکھوں گا۔ مگر ساتھ یہ بھی سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ یہ بات کسی اور کو نہ بتانا۔ دل میں یہ خیال تھا کہ بات پہنچتے پہنچتے جب سیدہ ماریہ تک پہنچے گی تو وہ کبیدۂ خاطر ہوں گی۔ اس حوالے سے کتب احادیث میں متعدد روایات مروی ہیں جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

① اس واقعہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے سیدنا انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں:

"أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ أَمَةٌ يَطَؤُهَا، فَلَمْ تَزَلْ بِهِ عَائِشَةُ وَ حَفْصَةُ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُمَا حَتّٰى حَرَّمَهَا عَلٰى نَفْسِهِ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ ﴿ يَأَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ...... ﴾ [1]

"بلاشبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک لونڈی (سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا) تھیں۔

[1] (نسائی = کتاب عشرة النساء: باب الغيرة : ٣٤١١)

جس سے آپ ﷺ مباشرت کیا کرتے تھے۔ اس پر احتجاج کرتے ہوئے سیدہ عائشہ اور سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہما دونوں مسلسل آپ کے پیچھے پڑی رہتیں۔ یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے بالآخر اس لونڈی کو اپنے اوپر حرام کر لیا۔ تب اللہ رب العزت نے یہ آیات نازل فرمائیں۔ (جن کا ترجمہ یہ ہے کہ) "اے نبی ﷺ! جس چیز کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کیا ہے اسے آپ کیوں حرام کرتے ہیں ....."

اس حدیث کو علامہ البانی رحمہ اللہ نے صحیح کہا ہے۔ دیکھیے صحیح النَّسائِی حدیث: ۳٤۱۱۔ علامہ ابن حجر رحمہ اللہ نے بھی فتح الباری، کتاب الطَّلاق، حدیث: ٥٢٦٦ کی شرح کرتے ہوئے اس کو صحیح کہا ہے۔ امام شوکانی رحمہ اللہ نے بھی اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ دیکھیے تفسیر احسن البیان / تفسیر سورة التَّحریم)

② حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے مذکورہ بالا حدیث کی ایک شاہد (مؤید) روایت بھی نقل فرمائی ہے۔ جس کو امام طبری رحمہ اللہ نے بیان کیا ہے اور اس کو بیان کرنے والے مشہور تابعی زید بن اسلم ہیں: وہ فرماتے ہیں:

" اَصَابَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ اُمَّ اِبْرَاهِيمَ وَلَدِه فِيْ بَيْتِ بَعْضِ نِسَائِهِ فَقَالَتْ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! فِيْ بَيْتِيْ وَ عَلٰى فِرَاشِيْ، فَجَعَلَهَا عَلَيْهِ حَرَامًا ، فَقَالَتْ : يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ! كَيْفَ تُحَرِّمُ عَلَيْكَ الْحَلَالَ؟ فَحَلَفَ لَهَا بِاللّٰهِ لَا يُصِيْبُهَا ، فَنَزَلَتْ:

﴿ يَا أَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ... ﴾ [1]

''رسول اللہ ﷺ ام ابراہیم (سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا) کے ساتھ اپنی ایک بیوی (سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا) کے گھر میں محو تخلیہ تھے۔ اس بیوی نے (اچانک گھر آ جانے پر) کہا: یا رسول اللہ! میرے گھر میں اور میرے بستر پر (آپ کسی اور سے قربت اختیار کر رہے ہیں؟) نبی ﷺ نے ام ابراہیم سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام ٹھہرا لیا۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا فرمانے لگی: آپ ایک حلال چیز کو اپنے اوپر حرام کیسے ٹھہرا رہے ہیں؟ تو نبی ﷺ نے (اس کو خوش کرنے کے لیے) فرمایا: اللہ کی قسم! میں آئندہ اس (ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ مباشرت نہیں کروں گا۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی۔ ''اے نبی ﷺ! آپ اس چیز کو اپنے لیے کیوں حرام کرتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال قرار دیا ہے......''

یہ اگرچہ مرسل روایت ہے مگر اس کی سند صحیح ہے۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اس کے بارے فرماتے ہیں:

''أَخْرَجَهُ الطَّبَرِيُّ بِسَنَدٍ صَحِيحٍ''

''امام طبری رحمہ اللہ نے اس کو صحیح سند سے نقل فرمایا ہے۔''

③ امام سعید بن منصور رحمہ اللہ نے مشہور تابعی امام مسروق رحمہ اللہ سے نقل فرمایا ہے۔ وہ فرماتے ہیں:

«حَلَفَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ لِحَفْصَةَ لَا يَقْرَبُ

[1] (حوالہ / فتح الباری شرح صحیح البخاری: كتاب الطلاق، باب ﴿ لِمَ تُحَرِّمُ مَا أَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ ...... ﴾، شرح الحديث: ٥٢٦٦)

اَمَتَهُ وَقَالَ هِیَ عَلَیَّ حَرَامٌ ۔ فَنَزَلَتِ الْکَفَّارَةُ لِیَمِیْنِه وَاَمَرَ اَلَّا یُحَرِّمَ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ» ❶

رسول اللہ ﷺ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا (کو راضی کرنے) کے لئے قسم اٹھا لی کہ آئندہ وہ اپنی لونڈی (سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا) سے مقاربت نہیں اختیار کریں گے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا: ''وہ مجھ پر حرام ہے۔'' اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے قسموں سے نکلنے کے لئے کفارہ کی آیت نازل فرمائی۔ نیز اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو یہ حکم دیا کہ وہ کسی ایسی چیز کو حرام نہ قرار دیا کریں جس کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا ہے''

④ علامہ ضیاء المقدسی نے ''المختارۃ'' میں ہیثم بن کلیب اور جریر بن حازم کی سند سے بیان کرتے ہوئے صحابی رسول سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

(قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَ سَلَّمَ لِحَفْصَةَ :لَا تُخْبِرِیْ اَحَدًا اَنَّ اُمَّ اِبْرَاهِیْمَ عَلَیَّ حَرَامٌ ، قَالَ فَلَمْ یَقْرَبْهَا حَتّٰی اَخْبَرَتْ عَائِشَةَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ: ﴿قَدْ فَرَضَ اللّٰهُ لَكُمْ تَحِلَّةَ اَيْمَانِكُمْ ......﴾ ❷

---

❶ (حوالہ /فتح الباری شرح صحیح البخاری= کتاب التَّفسیر :باب سورۃ التَّحریم ،حدیث نمبر: ٤٩١١ کی شرح ۔اس روایت کی سند کے بارے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ''وَوَقَعَ عِنْدَ سَعِیْدٍ بِاِسْنَادٍ صَحِیْحٍ اِلَی مَسْرُوْقٍ'' امام سعید بن منصور نے اپنی مسند میں اس روایت کو امام مسروق رحمہ اللہ تک صحیح سند سے نقل فرمایا ہے)

❶ (حوالہ /فتح الباری شرح صحیح البخاری = کتاب التَّفسیر: باب سورۃ التَّحریم :٤٩١١ کی شرح)

''رسول اللہ ﷺ نے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا: کسی کو یہ بات نہ بتانا کہ ام ابراہیم ماریہ قبطیہ مجھ پر حرام ہے۔اس کے بعد نبی اکرم ﷺ ام ابراہیم کے قریب بھی نہیں گئے۔ یہاں تک کہ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے وہ راز والی بات سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کو بتا دی۔تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں جن میں حکم دیا: بے شک اللہ نے تمھارے لیے تمھاری قسموں کا کفارہ مقرر کر دیا ہے۔''

⑤ امام طبرانی رحمہ اللہ نے عشرۃ النساء میں اور امام مردویہ رحمہ اللہ نے ابوبکر بن عبدالرحمن سے بیان کرتے ہوئے صحابیٔ رسول سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بیان کیا ہے۔سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

" دَخَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ بِمَارِيَةَ بَيْتَ حَفْصَةَ فَجَآءَتْ فَوَجَدَتْهَا مَعَهُ۔ فَقَالَتْ : يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ ! فِيْ بَيْتِيْ تَفْعَلُ هٰذَا۔ مَعِيَ دُوْنَ نِسَائِكَ۔ فَذَكَرَ نَحْوَهُ۔ "[1]

''رسول اللہ ﷺ سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کے گھر داخل ہوئے۔وہاں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا بھی آ گئیں تو انہوں نے دیکھا کہ نبی اکرم ﷺ کے ساتھ سیدہ ماریہ محو تخلیہ ہیں۔ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! میرے گھر میں آپ یہ کیا کر رہے ہیں؟ آپ کے ساتھ میں اپنے علاوہ کسی اور کو اپنے گھر میں کیوں دیکھ رہی ہوں؟ تو اس وقت نبی ﷺ نے

[1] (حوالہ /فتح الباری شرح صحیح البخاری=کتاب التَّفسیر :باب سورۃالتَّحریم : ٤٩١١ کی شرح)

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو مطمئن کرنے کے لئے وہی کچھ فرمایا جو اس سے پہلے (علامہ ضیاء المقدسی کے حوالے سے روایت نمبر ۴ میں) گزر چکا ہے۔

⑥ امام طبرانی رحمہ اللہ نے امام ضحاک رحمہ اللہ کی سند سے صحابی رسول سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے بیان کیا ہے۔ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

" دَخَلَتْ حَفْصَةُ بَيْتَهَا فَوَجَدَتْهُ يَطَأُ مَارِيَةَ فَعَاتَبَتْهُ۔ فَذَكَرَ نَحْوَهُ۔ "[1]

"سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا (جب اچانک) اپنے گھر میں داخل ہوئیں تو انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ بحالت تخلیہ اور بحالت مقاربت پایا۔ وہ ناگواری کی وجہ سے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ترش روی پر اتر آئیں تو اس وقت رسول اللہ ﷺ نے سیدہ حفصہ کو تسلی اور اطمینان دیتے ہوئے وہی کچھ فرمایا جو اس سے پہلے (روایت نمبر ۴ میں علامہ ضیاء المقدسی کے حوالے سے) گزر چکا ہے۔"

مذکورہ بالا چاروں روایات: ۳، ۴، ۵ اور ۶ کے بارے علامہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: "وَهٰذِهِ طُرُقٌ يُقَوِّيْ بَعْضُهَا بَعْضًا " یہ تمام روایات اس قسم کی ہیں کہ ہر ایک روایت دوسری روایت کو تقویت پہنچاتی ہے۔ بالفاظ دیگر یہ روایات صَحِيْحٌ لِغَيْرِهٖ یعنی ایک دوسری کی بنا پر صحیح ہیں۔

گزشتہ ساری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ سورۃ التحریم کی ابتدائی چار آیات کے دو شان

---

[1] (حواله/ فتح الباری شرح صحیح البخاری- كتاب التَّفسير :باب سورة التَّحريم، حديث نمبر: ٤٩١١ كى شرح)

نزول کتبِ تفاسیر اور کتبِ احادیث میں ہیں:

① شہد حرام کرنے کے بارے۔

② سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے اوپر حرام کرنے کے بارے۔

دونوں شان نزول ہی صحیح احادیث اور مستند روایات سے ثابت ہیں۔یہی وجہ ہے کہ حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ اس تعارض کو رفع کرتے ہوئے یوں رقم طراز ہیں:

"فَيَحْتَمِلُ اَنْ تَكُوْنَ الْآيَةُ فِي السَّبَبَيْنِ مَعًا" ❶

"اس بات کا احتمال ہے کہ دونوں قسم کے واقعات اس آیت کا بیک وقت شانِ نزول ہوں۔"

ذکر کردہ دوسرے شانِ نزول میں جو ازواج مطہرات اور امھات المؤمنین کا کثرت سے ذکر آیا ہے۔مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان کا مختصر تعارف بھی پیش کر دیا جائے۔

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا مختصر تعارف:

سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا خلیفۂ ثانی اور مرادِ رسول سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کی لختِ جگر اور نورِ نظر ہیں۔ام المؤمنین اور زوجۂ رسول صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ان کی والدہ ماجدہ کا نام زینب ہے جو مظعون کی بیٹی ہیں۔اس اعتبار سے سیدہ زینب زوجہ عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سیدنا عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی بہن معلوم ہوتی ہیں۔زوجیت رسول اللہ رحمہ اللہ میں آنے سے پہلے سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا سیدنا خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کے عقد میں تھیں۔سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے

❶ (فتح الباری شرح صحیح البخاری= کتاب التفسیر : باب سورة التحریم، حدیث نمبر: ٤٩١١ کی شرح(٦٥٧/٨)

اپنے خاوند سیدنا خنیس سہمی رضی اللہ عنہ کے ہمراہ ہجرت مدینہ بھی کی تھی۔غزوۂ بدر کے بعد سیدنا خنیس بن حذافہ سہمی رضی اللہ عنہ کا انتقال ہو گیا۔بعد ازاں سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے اپنی اس بیٹی کا نکاح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر دیا۔یوں سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا مادر ملت اور زوجۂ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے شرف سے ہمکنار ہو گئیں اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سسر ہونے کا شرف حاصل ہوا۔سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ۳ ہجری میں ہوا۔سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا کو اپنے باپ کے کچھ فطری اور طبعی خصائل شاید وراثتاً ملے تھے۔اس لئے وہ بھی ذرا ترش رو اور تلخ مزاج واقع ہوئیں۔مگر دل میں اللہ تعالیٰ کا بہت ڈر تھا۔آخرت کی فکر تھی اور عبادت میں بھرپور لگن تھی۔روزہ دار اور شب زندہ دار خاتون تھیں۔

ان کی زبان کی سختی کی وجہ سے ہی ایک موقع پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں طلاق دینے کا ارادہ کر لیا تھا۔ بلکہ بعض روایات میں آتا ہے کہ طلاق دے بھی ڈالی تھی۔مگر بعد میں اللہ تعالیٰ نے اس ارادہ سے روک دیا تھا۔باقاعدہ جبرائیل علیہ السلام وحی لیکر آئے کہ یہ بہت روزہ رکھنے والی اور رات کو عبادت کرنے والی ہیں۔ ان کو طلاق نہ دیں۔یہ تو جنت میں بھی آپ کی بیوی رہیں گی۔لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارادہ ترک کر دیا۔(اور جن روایات میں طلاق دے دینے کا تذکرہ ہے۔ان روایات کے پیش نظر یوں کہا جائے گا کہ آپ نے رجوع کر لیا)سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے ماہ شعبان اور سن ۴۵ ہجری کو وفات پائی۔وفات کے وقت ان کی عمر مبارک ۶۰ برس تھی۔(رَضِيَ اللَّهُ عَنهَا وَاَرْضَاهَا)

سیدہ ماریہ قبطیہ رضی اللہ عنہا کا مختصر تعارف:

صلح حدیبیہ سے فارغ ہو کر رسول اکرم ﷺ نے جو خطوط اطراف و اکناف کے بادشاہوں اور فرمانرواؤں کو روانہ فرمائے تھے۔ان میں سے ایک خط اسکندریہ کے رومی بطریق (patriarch) کے نام بھی تھا۔اہل عرب اس کو مُقوقِس کہتے تھے۔ سیدنا حاطب بن ابی بلتعہ رضی اللہ عنہ یہ نامۂ گرامی لے کر گئے تھے۔سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ جب نامۂ مبارک لے کر اس کے پاس پہنچے۔تو اس نے اسلام قبول نہ کیا مگر ان کے ساتھ بہت اچھے رویے (behaviour) کے ساتھ پیش آیا۔ اس نے جواب میں لکھا: ''مجھے یہ معلوم ہے کہ ایک نبی آنا ابھی باقی ہے۔لیکن میرا خیال یہ ہے کہ وہ شام میں نکلے گا۔تاہم میں آپ کے ایلچی اور قاصد کے ساتھ احترام و اکرام سے پیش آیا ہوں ۔اور آپکی خدمت میں دولڑکیاں بھیج رہا ہوں جو قبطیوں میں بڑا مقام رکھتی ہیں۔'' (تاریخ ابن سعد)

ان دولڑکیوں میں سے ایک سیرین تھی اور دوسری ماریہ تھی۔عیسائی سیدہ مریم علیہا السلام کو ماریہ کہتے تھے۔مصر سے واپسی پر راستہ میں سیدنا حاطب رضی اللہ عنہ نے دونوں کو اسلام کی دعوت پیش کی اور وہ ایمان لے آئیں۔جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئیں تو آپ ﷺ نے سیرین کو سیدنا حسّان بن ثابت رضی اللہ عنہ کی ملکیت (یمین) میں دے دیا اور سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہا کو اپنے حرم میں داخل فرمالیا۔ ۸ ہجری میں انہی کے بطن سے رسول اکرم ﷺ کے صاحبزادے جناب ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے جو اٹھارہ ماہ کی عمر میں وفات پاگئے تھے۔یہ خاتون نہایت خوبصورت تھیں۔حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اپنی

مایہ ناز اور معروف تصنیف ''الاصابہ'' میں ان کے متعلق سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کا ایک قول نقل فرمایا ہے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں۔ ''مجھے کسی عورت کا آنا اس قدر ناگوار نہ ہوا جتنا ماریہ کا آنا ناگوار ہوا تھا۔ کیونکہ وہ حسین وجمیل تھیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند آئی تھیں'' (رَضِیَ اللّٰهُ عَنهَا وَاَرضَاهَا)

فہم قرآن عربی لغات سے یا حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے:

گذشتہ ساری تفصیل ذکر کرنے کے بعد اب ہم اپنے موضوع کلام کی طرف پلٹتے ہیں۔ سورۃ التحریم کی ابتدائی چار آیات کی تفسیر اور توضیح شروع کرنے سے پہلے جیسا کہ چوتھے سوال کے شروع میں بھی درج ذیل چند پوائنٹس بصورت سوالات اٹھائے گئے تھے:

1. وہ کونسی چیز تھی جس کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوپر حرام کر لیا تھا؟ قرآن مجید میں اس سوال کا جواب کہاں ہے؟
2. نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کس بیوی سے راز کی بات کہی تھی وہ راز کی بات کیا تھی؟ قرآن مجید میں اس کا کہاں تذکرہ ہے؟
3. جس بیوی سے آپ نے وہ راز والی بات ارشاد فرمائی تھی اس زوجۂ محترمہ کا اسم گرامی کیا ہے؟ قرآن مجید میں اس کی کہاں وضاحت ہے؟
4. پھر جس بیوی کے پاس راز تھا۔ اس نے وہ راز آگے کس بیوی کے سامنے افشاء کیا۔ جس بیوی کے سامنے راز افشاء کیا گیا اس کا نام کیا ہے؟ قرآنِ مجید میں اس کا بھی بیان نہیں۔

5 اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی دو بیویوں کا تذکرہ بطور خاص صیغہ "تثنية" ﴿اِنْ تَتُوْبَا﴾ کے ساتھ فرمایا ہے۔ وہ کونسی دو بیویاں ہیں؟ قرآن میں آخر کہاں ان کی نشاندہی کی گئی ہے؟

6 راز کے افشاء ہونے پر اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ ﷺ کو آگاہ فرما دیا کہ راز افشاء ہو چکا ہے۔ آپ نے جس بیوی کے پاس ایک ''نجی راز'' والی بات کہی تھی۔ اس نے آگے آپ کی فلاں بیوی کو بات بتا دی ہے۔ اس راز کی آگاہی پر قرآن مجید میں کہاں وضاحت ہے؟

منکرین حدیث کے اس فتنہ پرور گروہ سے ہم یہ پوچھنے میں حق بجانب ہیں کہ بتایئے! قرآن کو سمجھنے کی تڑپ رکھنے والا ایک عام طالب علم اور قاریٔ قرآن ان تمام سوالات اور تفصیل طلب نکات کا جواب کیا عربی لغات سے حاصل کرے گا، تاریخی مواد سے اخذ کرے گا، اہل عرب کے نثر نگاروں کی نثر اور عرب شعراء کی شاعری سے حاصل کرے گا یا کہ ان تمام سوالات اور حل طلب اشکالات کا جواب اسے ذخیرۂ احادیثِ رسول کے مطالعہ سے ملے گا۔

قرآن وحدیث کے دونوں سرچشمہ ہدایت سے احکام ومسائل حاصل کرنے والی ''امت مسلمہ'' کے مقابلے میں ''صرف قرآن'' کا ڈھونگ رچانے والی اور احادیث رسول کا سرے سے انکار کرنے والی ''امتِ منکرہ'' لوگوں کو یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ قرآن کو سمجھنے کے لیے عربی شاعروں کا کلام اور تاریخی مواد جو موجود ہے لہٰذا احادیث رسول کی کیا ضرورت ہے؟ احادیث رسول میں بہت زیادہ ملاوٹ ہو چکی ہے۔ ان کم عقلوں

اور احمقوں سے کوئی پوچھے کہ شاعروں کا کلام اور تاریخی مواد کیا ہر لحاظ سے محفوظ و مامون ہے۔ اس میں دخل اندازی کا شائبہ نہیں حالانکہ احادیث رسول میں اگر زنادقہ نے ملاوٹ کی بھی ہے تو اللہ تعالیٰ نے محدثین کرام کو پیدا فرما کر اس ملاوٹ سے احادیث رسول کو پاک وصاف کر دیا ہے اور صحیح احادیث کو ضعیف احادیث سے ممتاز کر دیا ہے۔ اس ''امت منکرہ'' نے عوام الناس کو گمراہ کرنے کے لیے ایسے ایسے ہتھ کنڈے استعمال کیے کہ ان کے لیے بڑی طویل بحث کی ضرورت ہے۔ صرف ایک فریب بطور نمونہ پیش کرتے ہیں۔

منکرین حدیث کی کذب بیانی:

منکرین حدیث کی ''امت منکرہ'' کے سرغنہ اور خاص طور پر سرزمین پاکستان میں اس فتنہ کی آبیاری کرنے والوں کے لیڈر مسٹر غلام احمد پرویز نے اپنی کتاب ''مقام حدیث'' میں یہ دھوکہ دینے کی کوشش کی ہے کہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے احادیث روایت کرنے سے منع کر دیا تھا اور سیدنا ابو بکر رضی اللہ عنہ نے اپنا مجموعہ جلا ڈالا تھا۔ لہٰذا مسٹر پرویز ''تذکرۃ الحفاظ'' کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں:

''حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے مجموعہ جلا دیا تھا۔'' حالانکہ اس بارے خود صاحب ''التذکرہ'' نے آخر میں لکھا ہے کہ '' لَا يَصِحُّ'' یہ بات صحیح نہیں ہے۔ یہ روایت جھوٹی ہے۔

اس سے بڑھ کر دجل وفریب اور دھوکہ وفراڈ کیا ہو سکتا ہے کہ جس کتاب کے حوالے سے مسٹر پرویز بات کر رہا ہے اسی کتاب کے مصنف نے آگے صاف لکھ دیا ہے

کہ یہ بات غلط ہے۔ مگر مسٹر پرویز نے بددیانتی سے کام لیتے ہوئے "لَا یَصِحُّ" کے الفاظ کو یکسر اور بیک جنبش قلم اڑا دیا اور باقی الفاظ پیش کر دیے۔ یہی طرز عمل اس گروہ کے باقی بڑے بڑے گروؤں مثلاً مسٹر اسلم جیراج پوری، خواجہ احمد الدین، عبد اللہ چکڑالوی، نیاز فتح پوری اور غلام جیلانی برق وغیرہم کا ہے۔ فتنۂ انکار حدیث کی عینک اتار کر اگر کوئی شخص دورِ صحابہ اور دور تابعین کا گہرائی سے مطالعہ کرے تو اس کو معلوم ہو جائے گا کہ خلفائے راشدین کے مبارک دور میں حجیت حدیث کے حوالے سے کوئی اختلاف رائے موجود نہیں۔ تمام صحابہ احادیث کے قائل اور فاعل تھے۔ امت مسلمہ میں اور خاص طور پر سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت کے ابتدائی چار سالوں میں سب سے پہلا جو اختلاف برپا ہوا تھا وہ خلیفۂ ثالث، داماد رسول سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کے قصاص کا تھا۔ وہ بھی دینی، مذہبی، نظریاتی اور اعتقادی اختلاف نہ تھا بلکہ انتظامی، سیاسی اور تدبیری اختلاف تھا۔ وضع احادیث کا فتنہ ۴۰ ہجری سے قریب قریب ۱۲۵ ہجری تک جاری رہا۔ اس کے بعد وہ بھی دم توڑ گیا۔ لہٰذا سیدنا ابوبکر صدیق اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں نہ فتنۂ وضع حدیث تھا اور نہ ہی فتنہ انکار حدیث۔ تو پھر احادیث روایت کرنے سے منع کرنے اور مجموعہ احادیث کو جلانے کی بات "تلبیس ابلیس" کے سوا کیا ہو سکتی ہے۔

زندہ ہیں مجھ سے ایسے کچھ آداب سرکشی
جو تیری زلف کو بھی میسر نہ ہو سکے

ہم اس بات کا بڑی بصیرت سے دعویٰ کرتے ہیں:

- قرآنِ مجید کی طرح حدیث رسول ﷺ بھی حجتِ دین، جزو دین اور وحی الٰہی ہے۔ قرآن مجید کی ابدی، ازلی اور محفوظ تعلیمات کی طرح حدیثِ رسول ﷺ کی تعلیمات بھی ابدی، ازلی اور محفوظ ہیں۔
- قرآنِ مجید کی حیثیت کسی قانون اور دستور کے متن کی ہے اور احادیث رسول ﷺ کی حیثیت اس متن کی تشریح و توضیح اور تفسیر و تبیین کی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ سورۃ التحریم کی ابتدائی آیات کی تفسیر کے حوالے سے پیدا شدہ سوالات کے جوابات صرف اور صرف ذخیرۂ احادیث سے ہی ملتے ہیں۔

«اللّٰهُمَّ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ»

رسول اللہ ﷺ کے بارے گروہ بندی کرنے والی دو بیویاں:

سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما عظیم صحابیٔ رسول ہیں، رسول اللہ ﷺ کے فسٹ کزن (چچا زاد بھائی) تھے۔ رسول اکرم ﷺ نے ان کے حق میں دعا بھی فرمائی تھی کہ یا اللہ! ان کو قرآن کی تفسیر کا علم عطا فرما۔ وہ فرماتے ہیں کہ قرآن مجید کی سورۃ التحریم کی ان آیات کا معنی سمجھنے میں کافی دیر سے متفکر اور متردد تھا۔ خاص طور پر یہ جاننا چاہتا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کی جن دو بیویوں کو خاص طور پر صیغہ تثنیہ سے مخاطب کیا ہے۔ مثلاً اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں ﴿إِنْ تَتُوْبَا﴾ (اگر تم توبہ کرلو تو یہ تمھارے حق میں بہتر ہوگا) اور ﴿وَ إِنْ تَظَاهَرَا﴾ (اور اگر تم نبی ﷺ کے خلاف ایک دوسرے کی مدد کرو گی) ان دو ازواج مطہرات اور امہات المومنین سے کون کون مراد

ہیں؟ چنانچہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

" أَرَدْتُ أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ رَضِيَ اللّٰهُ عَنْهُ فَقُلْتُ: يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ مَنِ الْمَرْأَتَانِ اللَّتَانِ تَظَاهَرَتَا عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ ؟ فَمَا أَتْمَمْتُ كَلَامِي حَتَّى قَالَ! عَائِشَةُ وَ حَفْصَةُ ۔"[1]

''میں نے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ایک بات پوچھنے کا ارادہ کیا اور عرض کیا: یا امیر المومنین ! رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ کون سی دو عورتیں تھیں جنھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے کے لیے منصوبہ بنایا تھا؟ سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں: ابھی بات میرے منہ میں تھی اور میں اپنی بات پوری بھی نہ کر پایا تھا کہ فوراً سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: وہ عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہما تھیں۔''

اس حدیث سے معلوم ہوا سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو ان دونوں ازواج مطہرات کے بارے میں اس قدر وثوق اور بلوغ تھا کہ جونہی سیدنا ابن عباس رضی اللہ عنہما نے استفسار کیا تو بغیر کسی توقف کے سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے جواب دے دیا۔ دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ سیدنا عمر بن خطاب کس قدر مخلص، صاف گو اور عدل و انصاف کے پیکر تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ستانے کا منصوبہ بنانے والی دو بیویوں میں سے ایک ان کی اپنی لخت جگر ہیں مگر اظہار حقیقت میں انھوں نے ذرا بھی تساہل نہیں برتا بلکہ فوراً واضح کیا کہ وہ عائشہ اور حفصہ تھیں۔

[1] (بخاری= کتاب التّفسیر : باب ﴿ وَ إِذْ أَسَرَّ النَّبِيُّ إِلَى بَعْضِ أَزْوَاجِهِ حَدِيثًا . . . ﴾ : ٤٩١٤)

ان دونوں بیویوں کی تعیین و تبیین کے بارے صحیح البخاری میں سیدنا عبد اللہ بن عباس اور سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے ایک دلچسپ اور طویل واقعہ بھی منقول ہے۔ اس کو بیان کر کے ہم اس چوتھے سوال کی بحث کو سمیٹتے ہیں: وہ واقعہ یوں ہے کہ سیدنا عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

"مَكَثْتُ سَنَةً أُرِيْدُ أَنْ أَسْأَلَ عُمَرَ ابْنَ الْخَطَّابِ عَنْ آيَةٍ۔ فَمَا أَسْتَطِيْعُ أَنْ أَسْأَلَهُ هَيْبَةً لَهُ۔ حَتّٰى خَرَجَ حَاجًّا فَخَرَجْتُ مَعَهُ۔ فَلَمَّا رَجَعْتُ وَ كُنَّا بِبَعْضِ الطَّرِيْقِ عَدَلَ إِلَى الْأَرَاكِ لِحَاجَةٍ لَهُ۔ قَالَ فَوَقَفْتُ لَهُ حَتّٰى فَرَغَ ۔ ثُمَّ سِرْتُ مَعَهُ فَقُلْتُ لَهُ يَا اَمِيْرَ الْمُؤْمِنِيْنَ! مَنِ اللَّتَانِ تَظَاهَرَتَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَ سَلَّمَ مِنْ اَزْوَاجِهِ؟ فَقَالَ تِلْكَ حَفْصَةُ وَ عَائِشَةُ۔"

"ایک مدت سے میں اس تردد اور فکر میں تھا کہ ایک آیت (سورۃ التحریم کی آیت نمبر:۳) کے متعلق سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سوال کروں۔ لیکن ان کا رعب اور دبدبہ اتنا غالب تھا کہ پوچھنے کی ہمت ہی نہ پڑتی تھی۔ (تاہم مسلسل کسی مناسب موقع کی تلاش میں تھا) آخر ایک مرتبہ وہ حج بیت اللہ کے لیے تشریف لے گئے تو میں بھی ان کے ساتھ ہو لیا۔ واپسی پر جب ہم ایک راستہ پر چل رہے تھے۔ وہ رفع حاجت کے لیے پیلو کے ایک درخت کی طرف چل دیے۔ میں ان کے انتظار میں کھڑا رہا جب وہ فارغ ہو کر آئے تو میں ان کے ساتھ چلا اس وقت میں نے عرض کیا: یا امیر المومنین!

امہات المومنین میں سے وہ کونسی دو عورتیں تھیں جنھوں نے نبی ﷺ کے خلاف متفقہ منصوبہ بنایا تھا۔ سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرمانے لگے: وہ حفصہ اور عائشہ تھیں۔''

(اس کے بعد سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے اپنی گفتگو کو جاری رکھتے ہوئے اس واقعہ کے اسباب وعلل پر روشنی ڈالی۔ لہٰذا اگلی گفتگو کو عربی عبارت نقل کیے بغیر فقط اردو ترجمہ کے ساتھ افادۂ عامہ کی خاطر پیش خدمت کیا جاتا ہے)

''سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے پھر بیان شروع کیا کہ ہم قریش کے لوگ اپنی عورتوں کو دبا کر رکھنے کے عادی تھے۔ اللہ کی قسم! زمانۂ جاہلیت میں ہماری نگاہوں میں عورتوں کی کوئی خاص عزت وتکریم نہ تھی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں وہ احکام نازل کیے جو نازل کرنے تھے اور وہ حقوق وفرائض مقرر کیے جو مقرر کرنے تھے۔ (جب ہم مدینۃ الرسول آئے تو ہمیں یہاں بالکل برعکس صورت حال کا سامنا کرنا پڑا۔ یہاں اس قسم کے لوگ تھے کہ جن پر ان کی بیویاں حاوی تھیں۔ ان سے یہی سبق رفتہ رفتہ ہماری بیویاں بھی اخذ کرنے لگیں)

ایک دفعہ کا واقعہ ہے کہ میں کسی گہری سوچ میں گم تھا اور کسی اہم معاملے میں پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ میری اہلیہ نے مجھ سے کہا کہ تم اس معاملہ کو فلاں فلاں طرح حل کرلو۔ یعنی مجھے مشورے دینے لگی۔ تو میں نے جھٹ سے اس کو کہا کہ تمھارا اس میں کیا کام؟ یہ میرا معاملہ ہے اور مجھ سے متعلق ہے۔ تم اس میں دخل اندازی کرنے والی کون ہوتی ہو؟ میری اہلیہ نے میرے سامنے خم ٹھونکتے ہوئے کہا: ابن خطاب! تمھارے اس طرز

عمل پر بڑی حیرت ہے آپ اپنی باتوں کا جواب قطعاً برداشت نہیں کرتے۔ کیا آپ کو معلوم ہے کہ آپ کی لخت جگر اور آپ کی صاحبزادی (سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض باتوں کا جواب لوٹا دیتی ہے۔ کبھی کبھار تو ایسا بھی ہوتا ہے کہ سارا سارا دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناراض رہتے ہیں۔

یہ (اپنی بیوی کی طرف سے انکشاف) سن کر میں کھڑا ہوا، اپنی چادر پکڑی اور اپنی صاحبزادی حفصہ کے ہاں چلا گیا۔ میں نے جاتے ہی اپنی بیٹی حفصہ (رضی اللہ عنہا) سے پوچھا! اے میری بٹیا! کیا تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کا جواب لوٹاتی ہو؟ کیا کبھی یہ بھی نوبت آئی ہے کہ تم نے دن بھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض رکھا ہو؟ سیدہ حفصہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا! جی ہاں! کبھی کبھی ہم (ازواجِ مطہرات) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض باتوں کا جواب لوٹا دیتی ہیں۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی بیٹی کو نصیحت کرتے ہوئے اور سمجھاتے ہوئے کہا: خوب اچھی طرح جان لو! میں تمھیں اللہ تعالی کی سزا اور اس کے رسول مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خفگی اور ناراضگی سے ڈراتا ہوں (نامراد ہوگئی اور گھاٹے میں پڑ گئی تم میں سے وہ خاتون جو ایسا کرے گی) اے میری پیاری بیٹی! اپنی پڑوسن کی وجہ سے دھوکہ میں مبتلا نہ ہونا جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بہت زیادہ محبت حاصل کر لی ہے۔ اس بات سے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کا اشارہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف تھا۔ (مزید فرمایا: اگر کوئی چیز چاہیے ہو تو میرے مال میں سے مانگ لیا کرو۔)

(سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) پھر میں وہاں سے نکلا اور سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر چلا گیا۔ کیونکہ وہ میری رشتہ دار تھیں۔ میں نے اس بارے میں ان

سے بھی گفت وشنید کی۔ انھوں نے تو بڑا دو ٹوک قسم کا جواب دیا اور کہنے لگی: اے ابن خطاب! تم بھی عجیب آدمی ہو۔ آپ ہر معاملہ میں دخل اندازی کرنے لگ گئے ہو۔ یہاں تک کہ اب رسول اللہ ﷺ اور ان کی بیویوں کے معاملہ میں بھی دخل اندازی کرنے چلے ہو۔ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انھوں نے میری ایسی گرفت کی میرا غصہ ٹھنڈا کر دیا اور میری ہمت توڑ دی۔ میں بے بسی کی حالت میں ان کے گھر سے باہر آ گیا۔

پھر ایسا ہوا کہ ایک انصاری صحابی میرا دوست تھا۔ جب میں رسول اکرم ﷺ کی علمی اور تربیتی مجلس میں حاضر نہ ہو سکتا تو وہ مجلس کی اس دن کی تمام باتیں مجھ سے آ کر کہہ دیتا۔ انہی دنوں ہمیں غسان بادشاہ کی طرف سے مسلسل خطرہ درپیش تھا۔ ہمیں اطلاع ملی تھی کہ وہ مدینہ پر چڑھائی کرنے کا ارادہ کر رہا ہے۔ (جس طرح آج امریکہ برطانیہ، اسرائیل اور بھارت وغیرہ اسلام اور مجاہدین اسلام کو صفحۂ ہستی سے مٹا دینے کے خواہاں ہیں۔ اسی طرح اس زمانہ میں بھی کئی، رومی، ایرانی اور غسانی بادشاہ اس زعم باطل اور نخوت و رعونت میں مبتلا تھے کہ یہ مسلمان اور مجاہدین کیا ہیں؟ ہم جب چاہیں ان کا صفایا کر دیں گے اس لیے مسلمانوں کو مٹانے کے منصوبے بناتے رہتے تھے۔ اور دھمکیاں دیتے تھے۔ مگر اللہ رب العزت نے اپنے فضل و کرم سے اس دور کے مخالفین اسلام کے تمام منصوبوں کو ناکام و نامراد بنایا۔ ان شاء اللہ العزیز آج کے مخالفین کے بھی تمام منصوبوں، اتحادوں اور ہتھکنڈوں کو خائب و خاسر بنائے گا۔

جنھیں بخشا ہو تو نے اپنے در سے عروج
انھیں پھر دہر میں خوفِ زوال کیسا

چنانچہ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: ہمیں ہر لحظہ اس غسانی بادشاہ کے حملے کا کھٹکا رہتا تھا۔ ایک دن اچانک میرے انصاری دوست نے دروازہ کھٹکھٹایا اور بڑی بے صبری سے کہنے لگا: دروازہ کھولو، دروازہ کھولو۔ میں نے دروازہ کھولتے ہوئے کہا معلوم ہوتا ہے کہ غسانی حملہ آور ہو گئے ہیں۔ اس انصاری دوست نے کہا. اس سے بھی بڑا معاملہ رونما ہو چکا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں سے علیحدگی اختیار کر لی ہے۔ میں نے کہا: برباد ہوگئی اور نامراد ہوگئی حفصہ اور عائشہ (رضی اللہ عنہما)

(سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں) میں نے اپنا کپڑا (چادر وغیرہ) پکڑا اور باہر نکل آیا۔ جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہائش گاہ پہنچا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بالا خانے میں تشریف فرما تھے، جس پر سیڑھی کے ذریعہ چڑھا جاتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک حبشی غلام تھا (جس کا نام رباح تھا) وہ سیڑھی کے سرے پر موجود تھا۔ میں نے اس دربان سے کہا کہ جاؤ اور جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میری طرف سے درخواست کرو کہ عمر بن خطاب آیا ہے اور اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے۔ چنانچہ مجھے اندر جانے کی اجازت مل گئی۔ میں نے رسول اکرم، نبی رحمت اور پیغمبر جہاد جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہو کر اپنا سارا واقعہ بیان کیا۔ بیان کرتے کرتے جب میں سیدہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی بات پر پہنچا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنسی آ گئی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کھجور کی ایک چٹائی پر تشریف فرما تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اطہر اور اس چٹائی کے درمیان کوئی اور چیز نہ تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ تھا۔ اس تکیے میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔ پاؤں کی طرف

کیکر کے پتوں کا ڈھیر پڑا ہوا تھا اور سر کی طرف مشکیزہ لٹک رہا تھا۔ (گویا رسول اللہ ﷺ کے راحت کدہ، مہمان خانہ اور دیوان خانۂ نبوت کا یہ مختصر سا خاکہ اور نقشہ ہے جو سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے بیان فرمایا ہے)

(سیدنا عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:) میں نے چٹائی کے نشانات آپ ﷺ کے نرم و ملائم اور نازک بدن پر دیکھے تو رو پڑا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: عمر! کس بات پر رونے لگے ہو؟ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! قیصر و کسریٰ کے دنیا دار بادشاہوں کو دنیا میں ہر طرح کی آسائش اور راحت میسر ہے۔ آپ پھر اللہ تعالیٰ کے سچے رسول ہیں اور ایسی سادہ زندگی گزار رہے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اے عمر! کیا تم اس بات پر خوش نہیں ہو کہ ان کے لیے دنیا اور ہمارے لیے آخرت ہو۔'' [1]

خلاصۂ گفتگو:

سورۃ التحریم کی ان ابتدائی آیات اور ان کے شانِ نزول کے متعلقہ دونوں قسم کے واقعات سے ان تمام سوالات کا جواب مل جاتا ہے جو قرآن کا مطالعہ کرنے والے ایک عام شخص اور قرآن کا علم حاصل کرنے والے ایک طالب علم کے ذہن میں پیدا ہوتے ہیں۔ جن سوالات کی طرف پہلے صفحات میں وضاحت بھی کی گئی ہے۔ اس پوری تفصیل، تفسیر، تشریح اور توضیح سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو گئی کہ حدیثِ رسول ﷺ قرآن مجید کی تشریح و تفسیر ہے قرآن مجید کے احکام و مسائل، معارف و مطالب، مفاہیم و معانی کو کبھی بھی بغیر ذخیرۂ احادیث صحیحہ کے نہیں سمجھا جا سکتا۔

---

[1] (بخاری- کتاب التفسیر : باب ﴿تَبْتَغِي مَرْضَاتَ أَزْوَاجِكَ﴾ ۴۹۱۳)

ان امور کے علاوہ ایک انتہائی اہم حقیقت جو ان آیات سے ہمیں معلوم ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبی ﷺ کے پاس وہی علم نہیں آتا تھا جو قرآن عزیز میں درج ہوا ہے۔ بلکہ آپ کو وحی کے ذریعہ سے دوسری باتوں کا علم بھی دیا جاتا تھا جو قرآنِ عزیز میں درج نہیں کیا گیا ہے۔ اس دعویٰ کی صریح دلیل اس سورہ کی آیت نمبر تین ہے۔ اس میں واضح طور پر بتایا گیا ہے کہ نبی ﷺ نے اپنی ازواج مطہرات میں سے ایک زوجۂ مطہرہ سے راز میں ایک بات کہی اور انہوں نے وہ کسی اور بیوی کو بتا دی۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو مطلع کر دیا۔ بعد ازاں جب اس افشائے راز کی غلطی پر رسول اللہ ﷺ نے اپنی اس زوجۂ مطہرہ کو تنبیہ فرمائی تو اس زوجۂ مطہرہ نے آپ ﷺ سے وضاحت چاہی کہ آپ کو میری اس غلطی پر کس نے آگاہ کیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مجھے علیم و خبیر ہستی نے اس کی خبر دی ہے۔

قرآن مجید میں کہیں بھی کوئی ایسی آیت نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ کو مطلع اور آگاہ کر دیا کہ آپ کی فلاں بیوی نے آپ کی فلاں بیوی کو تمھارا راز بتا دیا ہے۔ پھر اس علیم و خبیر ہستی یعنی اللہ رب العزت نے آخر کس طرح خبر دی اور آگاہ کیا۔ صاف ظاہر ہے کہ وحی خفی یعنی حدیث رسول اللہ ﷺ کے ذریعہ۔

منکرین حدیث اگر اس موقف پر بضد ہوں کہ صرف قرآن ہی وحی الٰہی ہے۔ حدیث وحی الٰہی اور حجت شرعیہ نہیں۔ قرآن کے سوا کوئی چیز اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسول پر نازل نہیں ہوتی تھی۔ تو اس پوری ''امت منکرہ'' سے ہمارا چوتھا اہم سوال یہ ہے کہ پورے قرآنِ مجید میں وہ آیت کہاں ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے یہ فرمایا ہو کہ:

''اے نبی! آپ نے اپنی بیوی سے راز میں جو بات کہی تھی وہ اس نے کسی اور بیوی پر یا فلاں شخص پر ظاہر کردی ہے۔''

اگر اس معنی و مفہوم کی ایسی آیت قرآن میں نہیں ہے اور ظاہر ہے کہ نہیں ہے تو یہ اس بات کا صریح اور بین ثبوت ہے کہ قرآن کے علاوہ بھی نبی ﷺ پر وحی کا نزول ہوتا تھا۔ سورۃ التحریم کی ان آیات سے منکرین حدیث کا یہ دعویٰ بالکل باطل ہوجاتا ہے کہ نبی ﷺ پر قرآن کے علاوہ اور کوئی وحی نہیں آتی تھی۔

﴿اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْم﴾